جن عورتوں کے شوہر فوت ہو جائیں، ان کی عدت کے حوالے سے پیش آنے والی شرعی پیچیدگیوں سے متعلق آسان انداز میں کتاب بنام:

اِنْحِلَالُ الْمُشْكِلَاتِ فِيْ عِدَّةِ الْوَفَاةِ

یعنی

عدتِ وفات کے مشکل مسائل کا حل

مصنف

مفتی محمد نوید رضا عطاری مدظلہ العالی

پیش کش: مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جن عورتوں کے شوہر انتقال کر جائیں،ان کی عدت کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں۔حاملہ عورت کی عدت اور غیر حاملہ عورت کی عدت۔

(1)حاملہ عورت کی عدت:

عورت حاملہ ہے، تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ بچے کی ولادت کے ساتھ ہی اس کی عدت مکمل ہو جائے گی۔ اگرچہ شوہر کے انتقال کے فوراً بعد بچہ پیدا ہو جائے۔

حاملہ کی عدت کے متعلق اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے:﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ترجمہ کنز الایمان:”اور حمل والیوں کی میعاد یہ ہے کہ وہ اپنا حمل جَن لیں۔“[1]

اس کے تحت تفسیر نسفی میں ہے:”والنص یتناول المطلقات والمتوفیٰ عنهن ازواجهن“نص طلاق یافتہ اور جن کے شوہر وفات پا چکے ہوں، ان تمام عورتوں کو شامل ہے (یعنی تمام کی عدت وضع حمل ہے۔)[2]

تفسیر روح المعانی میں ہے:”ولا فرق فی ذلک بین ان یکن مطلقات او متوفیٰ عنهن ازواجهن کما روی عن عمر وابنہ، فقد اخرج مالک والشافعی و عبد الرزاق وابن شیبة وابن المنذر عن ابن عمر رضی اللہ عنهما انه سئل عن المراۃ یتوفیٰ عنها زوجها وهی حامل، فقال اذا وضعت حملها فقد حلت، فاخبرہ رجل من الانصار ان عمر بن الخطاب قال: لو ولدت وزوجها علی سریرہ للم یدفن لحلت“اس میں کوئی فرق نہیں کہ وہ مُطَلَّقہ ہو یا اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا

1...(القرآن، پارہ28، سورۃ الطلاق، آیت4)

2...(تفسیر نسفی ج3، ص499، مطبوعہ لاہور)

ہو ، جیساکہ حضرت عمر اور ان کے بیٹے رضی اللہ عنہما سے مروی ہے ۔ امام مالک ،امام شافعی ، عبد الرزاق، ابن شیبہ ، اور ابن منذر نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ان سے ایک عورت کے متعلق پوچھا گیا، جس کے شوہر کا انتقال ہوچکا تھا اور وہ حاملہ تھیں ، تو آپ نے فرمایا: جب اس کے ہاں وضعِ حمل ہو جائے تو وہ حلال (عدت سے باہر) ہو جائے گی، تو آپ کو ایک انصاری شخص نے خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر ایسی عورت کا بچہ پیدا ہو گیا اور اس کا (مرحوم) شوہر چارپائی پر ہو اسے دفن نہ کیا ہو، تو بھی وہ عورت حلال (عدت سے باہر) ہو جائے گی۔[1]

اس آیت مبارکہ کے تحت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی علیہ رحمۃ اللہ الھادی فرماتے ہیں:"حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے خواہ وہ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی۔"[2]

عالمگیری میں ہے:"وعدۃ الحامل ان تضع حملھا سواء کانت عن طلاق او وفاۃ"اور حاملہ عورت کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جَن لے برابر ہے کہ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی۔[3]

بہار شریعت میں ہے:"عورت حامل ہے تو عدت وضع حمل ہے عورت حرہ ہو یا کنیز مسلمہ ہو یا کتابیہ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی۔"[4]

یونہی شوہر کے انتقال کے فوراً بعد حاملہ نے بچہ جن دیا یا حمل ساقط ہو گیا جبکہ حمل کے

1...(تفسیر روح المعانی،ج28، ص460، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(خزائن العرفان مع کنز الایمان، ص1005، مطبوعہ لاہور)

3...(عالمگیری،ج1، ص528، مطبوعہ کوئٹہ)

4...(بہار شریعت،ج2، ص238، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

اعضاء بن چکے تھے، تو عدت مکمل ہو جائے گی۔

چنانچہ بخاری شریف کی حدیث پاک میں ہے:"عن المسور بن مخرمۃ ان سبیعۃ الاسلمیۃ نفست بعد وفات زوجھا بلیال فجاءت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاستاذنتہ ان تنکح فاذن لھا فنکحت"حضرت مسور بن مخرمہ سے مروی کہ سبیعہ اسلمی کو ان کے شوہر کی وفات کے کچھ راتوں بعد بچہ پیدا ہو گیا، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں کہ آگے نکاح کرنے کے معاملے میں آپ سے اجازت طلب کریں، تو آپ نے انہیں اجازت عطا فرمادی، تو انہوں نے نکاح کر لیا۔[1]

اس حدیث کے تحت امام علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:"قولہ: (انکحی) امرھا النبی صلی اللہ علیہ و سلم بالنکاح لان مدتھا انقضت بوضع الحمل لقولہ تعالی ﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ﴾ الایۃ"فرمان (تم نکاح کرو) نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا حکم دیا کیونکہ ان کی مدت بچہ جننے سے پوری ہو چکی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:(اور حمل والیاں۔۔۔) آخرِ آیت تک۔[2]

بہار شریعت میں ہے:"وضع حمل سے عدت پوری ہونے کے لئے کوئی خاص مدت مقرر نہیں موت یا طلاق کے بعد جس وقت بچہ پیدا ہوا عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ ایک منٹ بعد حمل ساقط ہو گیا اور اعضا بن چکے ہیں عدت پوری ہو گئی ورنہ نہیں۔"[3]

1...(صحیح بخاری، ج2، ص312، مطبوعہ لاہور)

2...(عمدۃ القاری، ج20، ص433، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(بہار شریعت، ج2، حصہ 8، ص238، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

اگر حمل ساقط ہو جائے، تو عدت کا حکم:

حمل ساقط ہونے کی صورت میں عدت و نفاس وغیرہ احکامات کے ثبوت کے لیے حمل کا کم از کم کوئی ایک عضو بن جانا ضروری ہے، خواہ وہ انگلی ہو یا ناخن وغیرہ ہو، ہاں اس بات میں اختلاف ہے کہ اس عضو کے بننے کی مدت کیا ہے؟

بعض کتب میں چار ماہ یعنی 120 دن مذکور ہے۔ جیسا کہ تبیین الحقائق میں ہے: "لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوما" حمل کی خلقت واضح نہیں ہوتی مگر ایک سو بیس دن میں۔[1]

بحر الرائق میں ولوالجیہ کے حوالے سے ہے: "لأن خلقه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوما فيكون أربعين يوما نطفة وأربعين علقة وأربعين مضغة اهـ" کیونکہ اس کی خلقت واضح نہیں ہوتی مگر ایک سو بیس دن میں کہ چالیس دن نطفہ ہوتا ہے اور چالیس دن جما ہوا خون اور چالیس دن لوتھڑا۔[2]

فتاوی ہندیہ میں ایک مقام پر ہے: "وخلقه لا يستبين إلا بعد مائة وعشرين يوما أربعون نطفة وأربعون علقة وأربعون مضغة كذا في خزانة المفتين. وهكذا في فتاوى قاضي خان" اور اس کی خلقت واضح نہیں ہوتی مگر ایک سو بیس دن بعد، چالیس دن نطفہ اور چالیس دن جما ہوا خون اور چالیس دن لوتھڑا۔[3]

محیط برہانی میں ہے: "خلقه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوماً" اس کی خلقت واضح

1...(تبیین الحقائق، ج3، ص44، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(بحر الرائق، ج4، ص176، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(فتاوی ہندیہ، ج5، ص356، دار الفکر، بیروت)

نہیں ہوتی مگر ایک سو بیس دن میں۔[1]

ماں کے پیٹ میں حمل کی مختلف کیفیت:

جبکہ مشاہدہ اس پر دال ہے کہ چار ماہ سے پہلے بعض اعضا بن جاتے ہیں اور اس پر اطباء کا بھی اتفاق ہے اور آج کل کے ڈاکٹروں کا بھی یہی کہنا ہے کہ چار ماہ سے قبل ہی عضو بن جاتا ہے، لہٰذا عدت و نفاس کا حکم بیان کرتے وقت خاص مدت کے بجائے عضو کے بننے سے تعبیر کیا جانا چاہیے۔ اگر ساقط ہونے والے حمل کا کوئی عضو بن گیا تھا، تو عدت ختم اور آنے والا خون نفاس کا ہو گا اور اگر کوئی عضو نہیں بنا، تو آنے والا خون نفاس نہیں ہو گا اور عدت کا تعلق اس وضع حمل سے نہیں ہو گا۔

چنانچہ صحیح مسلم میں ہے: ”عن عبد اللہ قال حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ھو الصادق المصدوق ان احد کم یجمع خلقہ فی بطن امہ اربعین یوماً ثم یکون فی ذلک علقۃ مثل ذلک ثم یکون فی ذلک مضغۃ مثل ذلک ثم یرسل اللہ الملک فینفخ فیہ الروح“ حضرت عبد اللہ سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور وہ صادق و مصدوق ہیں کہ تم میں سے کسی ایک کی تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع کی جاتی ہے، پھر وہ اس میں اسی کی مثل جما ہوا خون ہوتا ہے، پھر وہ اس میں اسی کی مثل لوتھڑا ہوتا ہے، پھر اللہ فرشتے کو بھیجتا ہے کہ وہ اس میں روح پھونکے۔[2]

اس حدیث کے تحت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح النووی للمسلم میں فرماتے ہیں: ”

1...۔(محیط برہانی، ج5، ص375)

2...۔(صحیح المسلم، ج2، ص332، مطبوعہ کراچی)

قال العلماء طريق الجمع بين هذه الروايات أن للملك ملازمة ومراعاة لحال النطفة۔۔۔ثم للملك فيه تصرف آخر في وقت آخر وهو تصويرهو خلق سمعه وبصره وجلده ولحمه وعظمه وكونه ذكرا أم أنثى وذلك إنما يكون في الأربعين الثالثة وهي مدة المضغة وقبل انقضاء هذه الأربعين وقبل نفخ الروح فيه لأن نفخ الروح لا يكون إلا بعد تمام صورته" علماء نے فرمایا کہ ان روایات کو جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فرشتے کو نطفہ کے حال کی رعایت اور ملازمت حاصل ہوتی ہے۔۔۔پھر فرشتے کا دوسرے وقت میں دوسرا تصرف ہوتا ہے اور وہ اس کی صورت بنانا، اس کی سماعت، بصارت، اس کی کھال، اس کا گوشت اور اس کی ہڈی بنانا۔ اور اس کا مذکر یا مونث ہونا اور یہ تیسرے اربعین میں ہوتا ہے اور یہ لوتھڑا ہونے کی مدت ہے اور اس چلہ کے پورے ہونے اور اس میں روح پھونکنے سے پہلے ہے، کیونکہ روح پھونکنا، صورت مکمل بنانے کے بعد ہوتا ہے۔[1]

امام نووی علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا کہ اعضاء کی ابتدا 80 دن کے بعد ہی ہوتی ہے، اس سے پہلے نہیں، اس پر ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے فرمایا: عورتوں میں یہ بات مشہور ہے کہ اگر نطفے سے لڑکا بنا ہو، تو 40 دن کے بعد ہی اعضاء بن جاتے ہیں اور ان کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے حتی کہ شرمگاہ بھی نظر آتی ہے، لہٰذا روایت ابن مسعود سے یا تو مراد یہ ہوگی کہ جب نطفے سے لڑکی بنی ہو تو اعضاء 80 دن کے بعد بننا شروع ہوں گے یا پھر اس روایت کو عمومی و غالب احوال پر محمول کیا جائے گا کہ غالب طور پر 80 دن کے بعد اعضاء بنتے ہیں جبکہ بسا اوقات 40 دن کے بعد بھی بن جاتے ہیں اور اس کی تائید میں ایک روایت بھی ہے۔ مرقاۃ المفاتیح میں ہے: "فإن قلت: قد ورد في صحيح مسلم برواية حذيفة بن أسيد خلاف ابن مسعود كما في المشارق، «أنه إذا مر بالنطفة ثنتان

1...(صحیح مسلم، ج2، ص332، مطبوعہ کراچی)

وأربعون ليلة بعث الله ملكا فصورها، وخلق سمعها، وبصرها، وجلدها، وعظامها، ثم يقول: يا رب أذكر أم أنثى؟ فيقضي ربك ما شاء، ثم يكتب أجله ورزقه»، فعلم منه أن التصوير بعد الأربعين الأولى، وهو مناف لهذه الرواية. فجوابه: أن لتصرف الملك أوقاتا. أحدها: حين يكون نطفة، ثم ينقلب علقة، وهو أول علم الملك بأنه ولد، وذلك عقيب الأربعين الأولى، وحينئذ يبعث إليه ربه يكتب رزقه، وأجله، وعمله، وخلقته، وصورته، ثم يتصرف فيه لتصويره، وخلق أعضائه، وذلك في الأربعين الثالثة، ثم ينفخ فيه الروح، فالمراد بتصويرها بعده أنه يكتب ذلك، ثم يفعله في وقت آخر؛ لأن التصوير الأول بعد الأربعين الأولى غير موجود عادة، كذا في شرح مسلم، ولا يخفى ما فيه، وقد استفاض بين النساء أن النطفة إذا قدرت ذكرا تتصور بعد الأربعين الأولى بحيث يشاهد منه كل شيء حتى السوأة، فتحمل رواية ابن مسعود على البنات، أو الغالب "تو اگر تم کہو: صحیح مسلم میں حذیفہ بن اُسَید کی روایت سے ابن مسعود کا خلاف موجود ہے، جیسا کہ مشارق میں ہے کہ جب نطفہ پر بیالیس دن گزرتے ہیں، تو اللہ فرشتے کو بھیجتا ہے، تو وہ اس کی صورت بناتا ہے اور اس کی سماعت اور بصارت اور اس کی جلد اور ہڈیاں پیدا کرتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: یارب! مذکر یا مؤنث؟ تو تیرا رب جو چاہے فیصلہ فرماتا ہے، پھر اس کی عمر اور رزق کو لکھا جاتا ہے۔ اھ اس سے معلوم ہوا کہ صورت بنانا، پہلے چالیس دن کے بعد ہے اور یہ اس روایت کے منافی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتے کے تصرف کے مختلف اوقات ہیں۔ جب وہ نطفہ ہوتا ہے، پھر جما ہوا خون ہوتا ہے اور یہ فرشتے کا پہلا علم ہے کہ یہ ولد ہے اور یہ پہلی اربعین کے پیچھے ہے اور اس وقت اس کی طرف اسے رب تعالی بھیجتا ہے کہ اس کا رزق اور عمر اور عمل اور اس کی خلقت و صورت لکھے، پھر اس کی صورت بنانے کے لیے تصرف کرے اور اس کے اعضاء بنائے اور یہ تیسرے اربعین میں ہوتا ہے پھر اس میں روح پھونکتا ہے، تو اس کے بعد

صورت بنانے سے مراد یہ ہے کہ اسے لکھے پھر دوسرے وقت میں ایسا کرے، کیونکہ پہلی تصویر، پہلے چالیس دن کے بعد عادۃً موجود نہیں ہوتی، اسی طرح شرح شرح مسلم میں ہے اور اس میں جو ہے، وہ مخفی نہیں اور عورتوں میں مشہور ہے کہ نطفہ کا جب مذکر ہونا مقدر ہو تو پہلے چالیس دن بعد تصویر بن جاتی ہے یوں کہ اس کی ہر چیز مشاہدہ میں آجاتی ہے حتی کہ پردہ کی جگہ بھی تو حضرت ابن مسعود کی روایت بیٹی یا اکثریت پر محمول ہے۔[1]

نزھۃ القاری شرح صحیح بخاری میں ہے:"اس پر اطباء کا بھی اتفاق ہے کہ چار مہینے میں اعضاء مکمل ہو جاتے ہیں چار ماہ ہونے پر بچے کے جسم میں روح آجاتی ہے۔۔۔علامہ نووی نے فرمایا کہ بقیہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلی اربعین کے بعد ہی فرشتہ آکر چاروں باتیں لکھ لیتا ہے۔۔۔اب حدیث کی ترتیب یہ ہوئی: چالیس دن تک مرد و عورت کا مادہ ایک جگہ جمع رہتا ہے پھر اللہ تعالی فرشتہ بھیجتا ہے، پھر وہ باذن الہی و باعلام الہی ان چار باتوں کو لکھتا ہے پھر وہ بستہ خون ہوتا ہے پھر گوشت کا لوتھڑا، پھر روح پھونکی جاتی ہے اخیر کی اربعین پوری ہوتے ہوتے اس کی خلقت تام ہو جاتی ہے سارے اعضا بن چکے ہیں۔ شکل و صورت حلیہ سب درست ہو چکا ہے، مگر چونکہ اس میں جان نہیں اس لیے اسے گوشت کے ٹکڑے سے تعبیر فرمایا"[2]

محقق علی الاطلاق علامہ ابن ہمام علیہ الرحمۃ نے فقہاء کے بعض وہ جزئیات جن میں یہ فرمایا گیا کہ اعضاء چار ماہ کے بعد ہی بنتے ہیں، ان کو اس پر محمول کیا ہے کہ یہاں اعضاء بننے سے مراد جان پڑ جانا ہے کیونکہ مشاہدہ ہے کہ اعضاء چار ماہ سے پہلے بھی بن جاتے ہیں۔ اور پھر علامہ

1...(مرقاۃ المفاتیح، باب الایمان بالقدر، ج1، ص152، دار الفکر، بیروت)

2...(نزھۃ القاری، ج4، ص304، فرید بک سٹال، لاہور)

ابن ہمام علیہ الرحمۃ کی اس بات کو علامہ ابن نجیم صاحب بحر الرائق نے اور صاحب مجمع الانہر نے بھی بر قرار رکھا ہے اور علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے بحر کے حوالے سے یہ اشکال ذکر کر کے اس کی تائید روایت صحیحہ سے کی جس میں 42 راتوں کے بعد اعضاء بننے کا ذکر ہے اور اطباء کے اقوال سے بھی تائید بیان فرمائی ہے۔ فتح القدیر میں ہے: "وهل يباح الإسقاط بعد الحبل؟ يباح ما لم يتخلق شيء منه ثم في غير موضع، قالوا: ولا يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما، وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح وإلا فهو غلط" اور کیا حمل کے بعد اسقاط مباح ہے؟ مباح ہے جب تک کچھ نہ بنا ہو، پھر کئی جگہ پر ہے کہ فقہاء نے فرمایا کہ اور یہ نہیں ہو گا مگر ایک سو بیس دن بعد اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ تخلیق سے ان کی روح پھونکنا مراد ہے ورنہ یہ غلط ہے۔[1]

بحر الرائق میں ہے: "(قوله: والسقط إن ظهر بعض خلقه ولدا) وهو بالكسر والتثليث لغة، كذا في المصباح وهو الولد الساقط قبل تمامه وهو كالساقط بعد تمامه في الأحكام فتصير المرأة به نفساء وتنقضي به العدة وتصير الأمة به أم ولد إذا ادعاه المولى ويحنث به لو كان علق يمينه بالولادة ولا يستبين خلقه إلا في مائة وعشرين يوما، كذا ذكره الشارح الزيلعي في باب ثبوت النسب والمراد نفخ الروح وإلا فالمشاهد ظهور خلقته قبلها قيد بقوله إن ظهر؛ لأنه لو لم يظهر من خلقته شيء فلا يكون ولدا ولا تثبت هذه الأحكام فلا نفاس لها" (ان کا قول: اور کچہ بچہ اگر اس کے کچھ اعضاء ظاہر ہو چکے ہوں تو ولد ہے) اور سقط، کسرہ اور ایک لغت میں تشدید کے ساتھ۔ اسی طرح مصباح میں ہے اور یہ مکمل ہونے سے پہلے ساقط ہونے والا ولد ہے اور یہ احکام میں مکمل ہونے کے بعد ساقط ہونے والے کی مانند ہے۔ تو اس کی وجہ سے عورت نفاس والی

---

1 ...(فتح القدیر، باب نکاح الرقیق، ج3، ص402، دار الفکر، بیروت)

ہو جائے گی اور اس سے عدت پوری ہو جائے گی اور باندی ام ولد ہو جائے گی، جبکہ مولیٰ نے اس کا دعوی کیا ہو اور اگر قسم ولادت پر کسی نے معلق کی ہو، تو وہ حانث ہو جائے گا اور خلقت واضح نہیں ہوتی، مگر ایک سو بیس دن میں، اسی طرح شارح زیلعی نے ثبوت نسب کے باب میں ذکر کیا ہے اور مراد روح پھونکنا ہے ورنہ مشاہدہ یہ ہے کہ خلقت اس سے پہلے ظاہر ہو جاتی ہے۔۔اگر ظاہر ہو کی قید لگائی کیونکہ اگر اس کی خلقت میں سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا، تو یہ ولد نہیں اور نہ یہ احکام ثابت ہوں گے، تو اس کے لیے نفاس بھی نہیں۔[1]

اسی طرح بحر میں ایک دوسرے مقام پر ہے:"وفي فتح القدير وهل يباح الإسقاط بعد الحبل يباح ما لم يتخلق شيء منه ثم في غير موضع ولا يكون ذلك إلا بعد مائة وعشرين يوما وهذا يقتضي أنهم أرادوا بالتخليق نفخ الروح، وإلا فهو غلط لأن التخليق يتحقق بالمشاهدة قبل هذه المدة اهـ۔" اور فتح القدیر میں ہے: اور کیا حمل کے بعد اسقاط مباح ہے؟ مباح ہے جبکہ کچھ تخلیق نہ ہوئی ہو، پھر کئی مقامات پر ہے اور یہ نہیں ہو گا مگر ایک سو بیس دن بعد اور یہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان کی تخلیق سے مراد، روح پھونکنا ہے ورنہ یہ غلط ہے کیونکہ تخلیق کا اس مدت سے پہلے مشاہدہ ثابت ہے۔ اھ۔[2]

مجمع الانھر میں بھی یہی اختیار کیا گیا ہے کہ چار ماہ سے پہلے بعض اعضاء بن جاتے ہیں اور اس حالت میں اگر حمل ساقط ہو جائے، تو عدت ختم ہو جائے گی، اسی وجہ سے صاحب **مجمع** نے فرمایا کہ صاحب تبیین نے جو یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ سے پہلے اعضاء نہیں بنتے یہ محل نظر ہے۔

1...(بحر الرائق، ج1، ص230، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

2...(بحر، ج3، ص215، دار الکتاب الاسلامی، بیروت)

عبارت یہ ہے:"(والسقط) مثلثة اسم للولد الساقط قبل تمامه (إن ظهر بعض خلقه) كشعر وأنف ويد ورجل (فهو ولد تصير به أمه نفساء والأمة أم ولد) إن ادعاه السيد. (ويقع) به (الطلاق المعلق بالولادة) بأن قال: إن ولدت فأنت طالق. (وتنقضي به العدة)؛ لأنه ولد لكنه ناقص الخلقة، ونقصان الخلقة لا يمنع أحكام الولادة، وفي قول صاحب التبيين ولا يستبين خلقه إلى مائة وعشرين يوما نظر فليتأمل."(اور سقط) مشدد، مکمل ہونے سے پہلے ساقط ہونے والے بچہ کا نام ہے۔(اگر کچھ خلقت ظاہر ہوچکی ہو) جیسے بال اور ناک اور ہاتھ اور پاؤں (تو وہ ولد ہے، اس کی وجہ سے عورت نفاس والی ہو جائے گی اور باندی ام ولد ہو جائے گی) اگر آقا دعوی کرے۔(اور ولادت پر معلق طلاق) اس کے ساتھ (واقع ہو جائے گی) تعلیق کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے کہا: اگر تم نے بچہ جنا، تو تجھے طلاق (اور اس سے عدت پوری ہو جائے گی) کیونکہ وہ ولد ہے، لیکن ناقص الخلقت اور خلقت کا ناقص ہونا، ولادت کے احکام میں مانع نہیں اور صاحب تبیین کے قول کہ خلقت ظاہر نہیں ہوتی مگر ایک سو بیس دن میں نظر ہے، تو اس میں غور کیا جائے۔[1]

مجمع الانہر میں مزید ہے:"(قالوا وعدت الحامل وضع الحمل مطلقا) وان كان الموضوع سقطا استبان بعض خلقه" فقہاء نے فرمایا: اور حمل والی کی عدت مطلقا وضع حمل ہے۔[2]

تنویر الابصار میں حاملہ کی عدت وضع حمل بیان کی گئی اس پر ردالمحتار میں ہے:"(قوله: وضع حملها) أي بلا تقدير بمدة سواء ولدت بعد الطلاق، أو الموت بيوم، أو أقل جوهرة، والمراد به الحمل الذي استبان بعض خلقه، أو كله، فإن لم يستبن بعضه لم تنقض العدة لأن

1...(مجمع الانھر، ج1، ص56، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

2...(مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر، جلد2، صفحہ 144، مطبوعہ کوئٹہ)

الحمل اسم لنطفة متغيرة، فإذا كان مضغة، أو علقة لم تتغير، فلا يعرف كونها متغيرة بيقين إلا باستبانة بعض الخلق بحر عن المحيط. وفيه عنه أيضا أنه لا يستبين إلا في مائة وعشرين يوما. وفيه عن المجتبى أن المستبين بعض خلقه يعتبر فيه أربعة أشهر، وتام الخلق ستة أشهر، وقدمنا في الحيض استشكال صاحب البحر لهذا بأن المشاهد ظهور الخلق قبل أربعة أشهر، فالظاهر أن المراد نفخ الروح لأنه لا يكون قبلها، وقدمنا تمامه هناك" (**ماتن کا قول: اس کا بچہ جننا ہے**) یعنی کسی مدت کے ساتھ مقدر و مخصوص نہیں برابر ہے کہ طلاق یا موت کے ایک دن بعد ولادت ہو یا اس سے بھی کم مدت میں۔ جوہرہ، اور اس سے مراد وہ حمل ہے کہ جس کے بعض یا تمام اعضاء بن چکے ہوں، تو اگر بعض اعضاء بھی نہیں بنے تو عدت پوری نہیں ہوگی کیونکہ حمل تبدیل شدہ نطفہ کا نام ہے، تو جب وہ لوتھڑا یا جما ہوا خون ہے تو تبدیل نہیں ہوا، تو اس کا بالیقین متغیر ہونا معلوم نہیں ہوگا مگر بعض اعضاء کے بننے سے۔ بحر بحوالہ محیط۔ اور اس میں اسی سے یہ بھی منقول ہے کہ خلقت واضح نہیں ہوتی مگر ایک سو بیس دن میں اور اس میں مجتبیٰ سے یہ بھی منقول ہے کہ بعض اعضاء ظاہر ہونے میں چار ماہ کا اعتبار ہوگا اور مکمل تخلیق میں چھے ماہ کا۔ اور ہم نے حیض کے باب میں اس پر صاحب بحر کی طرف سے وارد اشکال ذکر کیا تھا کہ مشاہدہ یہ ہے کہ چار ماہ سے پہلے ہی خلقت ظاہر ہو جاتی ہے تو ظاہر یہ ہے کہ مراد روح پھونکنا ہے کہ یہ اس سے پہلے نہیں ہوتا اور ہم نے اس کی مکمل گفتگو اسی جگہ کی ہے۔[1]

ردالمحتار میں ہے: "أقول: لكن يشكل على ذلك قول البحر: إن المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة، وهو موافق لما في بعض روايات الصحيح «إذا مر بالنطفة ثنتان وأربعون ليلة بعث الله إليها ملكا فصورها وخلق سمعها وبصرها وجلدها» وأيضا هو موافق لما ذكره

1...۔ (ردالمحتار مع الدر المختار، باب الحیض، ج3، ص 511-12، دار الفکر، بیروت)

الأطباء۔فقد ذكر الشيخ داود في تذكرته أنه يتحول عظاما مخططة في اثنين وثلاثين يوما إلى خمسين، ثم يجتذب الغذاء ويكتسي اللحم إلى خمس وسبعين، ثم تظهر فيه الغاذية والنامية ويكون كالنبات إلى نحو المائة، ثم يكون كالحيوان النائم إلى عشرين بعدها فتنفخ فيه الروح الحقيقية الإنسانية. اهـ ملخصا. نعم نقل بعضهم أنه اتفق العلماء على أن نفخ الروح لا يكون إلا بعد أربعة أشهر أي عقبها كما صرح به جماعة. وعن ابن عباس أنه بعد أربعة أشهر وعشرة أيام وبه أخذ أحمد، ولا ينافي ذلك ظهور الخلق قبل ذلك؛ لأن نفخ الروح إنما يكون بعد الخلق، وتمام الكلام في ذلك مبسوط في شرح الحديث الرابع من الأربعين النووية، فراجعه" **میں کہتا ہوں: لیکن اس پر بحر کے قول سے اشکال ہوتا ہے کہ مشاہدہ یہ ہے کہ اس مدت سے پہلے خلقت ظاہر ہو جاتی ہے اور یہ صحیح کی بعض روایات کے بھی موافق ہے کہ جب نطفہ پر بیالیس راتیں گزرتی ہیں تو اللہ تعالی اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے تو وہ اس کی صورت بناتا ہے اور اس کی سماعت، بصارت اور جلد بناتا ہے اور یہ بات اطباء کی ذکر کردہ بات کے بھی مطابق ہے کہ شیخ داؤد نے اپنی کتاب تذکرہ میں ذکر کیا ہے کہ بتیس سے پچاس دن میں وہ ہڈیوں کے ڈھانچہ میں تبدیل ہو جاتا ہے پھر غذا جذب کرتا ہے اور پچاس سے ستر دن میں گوشت چڑھ جاتا ہے پھر اس میں غذا اور نمو والی ظاہر ہوتی ہیں اور یہ سو کے قریب دن تک پودے کی مانند ہوتا ہے پھر اس کے بعد بیس دن تک سوئے ہوئے جاندار کی طرح تو اس میں انسانی حقیقت والی روح پھونکی جاتی ہے۔ اھ ملخصا۔ ہاں بعض نے یہ نقل کیا ہے کہ علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ روح پھونکنے کا عمل چار ماہ بعد یعنی اس کے فوراً بعد ہوتا ہے جیسا کہ ایک جماعت نے اس کی تصریح کی اور ابن عباس سے منقول ہے کہ یہ چار ماہ دس دن بعد ہوتا ہے اور اسی کو امام احمد نے لیا اور اس سے قبل خلقت کا ظاہر ہونا، اس کے منافی نہیں کیونکہ نفخ روح خلقت کے بعد ہوتا ہے۔ اس پر مکمل کلام اربعین نوویہ کی چوتھی حدیث**

کی شرح میں تفصیل سے موجود ہے۔ تو اس کی طرف رجوع کرو۔[1]

بدائع الصنائع میں ہے: "وشرط انقضاء هذه العدة ان يكون ما وضعت قد استبان خلقه او بعض خلقه فان لم يستبن راسا بان اسقطت علقة او مضغة لم تنقض العدة لانه اذا استبان خلقه او بعض خلقه فهو ولد فقد وجد وضع الحمل فتنقضى به العدة واذا لم يستبن لم يعلم كونه ولدا بل يحتمل ان يكون و يحتمل ان لا يكون فيقع الشك فى وضع الحمل فلا تنقضى العدة بالشك" اور اس عدت کے مکمل ہونے کی شرط یہ ہے کہ جو کچھ جَنا ہے اس کے مکمل اعضا یا کچھ ظاہر ہو چکے ہوں تو اگر کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا، یوں کہ جما ہوا خون ساقط ہوا یا لو تھڑا تو اس سے عدت پوری نہ ہو گی کیونکہ جب اس کے اعضا یا کچھ اعضا ظاہر ہوئے تو یہ ولد ہے تو وضع حمل پایا گیا تو اس سے عدت پوری ہوئی اور جب کچھ ظاہر نہیں ہوا تو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ولد ہے بلکہ احتمال رہا کہ یہ ولد ہو اور یہ بھی کہ نہ ہو تو وضع حمل میں شک ہوا تو شک سے عدت پوری نہیں ہو گی۔[2]

فتاوی رضویہ میں امام اہلسنت علیہ الرحمۃ نے بھی عدت کے معاملے میں یہی انداز اختیار فرمایا ہے، چنانچہ آپ علیہ الرحمۃ سے سوال ہوا "ایک شخص اپنی قضا سے فوت ہو گیا اور اس کی بیوی کو حمل تھا، بعد اس کے مر جانے کے ایک مہینہ کے بعد وہ حمل ساقط ہو گیا تو اس عورت کو عدت کرنا چاہئے یا اس حمل کے گر جانے سے عدت جاتی رہی اور وہ حمل چار یا پانچ مہینہ کا تھا اہلِ شرع کیا فرماتے ہیں؟"

اس کے جواب میں فرمایا: "سائل نے ظاہر کیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں بن گئے تھے تو اس

1...(ردالمحتار مع الدرالمختار، باب الحیض، ج1، ص302، دارالفکر، بیروت)

2...(بدائع الصنائع، جلد4، صفحہ 430، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت)

کے گر جانے سے عدت تمام ہو گئی اب عدت کی حاجت نہیں،فی ردالمحتار اذا اسقطت سقطا ان استبان بعض خلقه انقضت به العدة لانه ولد والا فلا" (1)

سقوطِ حمل میں اعضاء کا بننا معلوم نہ ہو تو:

ہاں سقوطِ حمل اس طور پر ہوا کہ پتہ نہ چل سکا کہ کوئی عضو بنا تھا یا نہیں اور حمل کو 120 دن ہو چکے ہیں، تو اب یہی قرار دیا جائے گا کہ اعضا بن چکے ہیں اور سقوط حمل سے عدت مکمل ہو جائے گی اور اگر حمل کو 120 دن نہیں گزرے، تو شک کی وجہ سے عدت مکمل نہیں ہو گی۔

چنانچہ نہر الفائق میں ہے: "لم يعلم أظهر أم لا بأن أسقطته في المخرج وعادتها في الحيض عشرة وفي الطهر عشرون تركت الصلاة أيام عادتها ثم أغتسلت وصلت كل صلاة بوضوء ثم تدع الصلاة أيام عادتها أيضا وقد تم لها أربعون يوما كذا قالوا و كان ينبغي أن يقال ولم تعلم عدد أيام حملها بانقطاع الحيض عنها أما لو لم تره مائة وعشرون يوما ثم أسقطته في المخرج كان مستبين الخلق "معلوم نہیں کہ عضو بنا تھا یا نہیں یوں کہ وہ مخرج میں ساقط ہو گیا اور عورت کی عادت حیض میں دس دن ہے اور طہر میں بیس دن تو ایام عادت میں نماز چھوڑے گی پھر غسل کرے گی اور ہر نماز وضو کے ساتھ پڑھے گی، پھر عادت کے ایام میں بھی نماز چھوڑے گی اور اس کے چالیس دن پورے ہوں گے۔ اسی طرح فقہاء نے فرمایا اور مناسب یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس کے حمل کے ایام کی تعداد حیض منقطع ہونے کی وجہ سے معلوم نہ ہوئی، بہر حال اگر اس نے ایک سو بیس دن تک کچھ نہ دیکھا پھر مخرج میں حمل ساقط ہوا تو وہ مستبین الخلق شمار ہو گا۔ (2)

بہار شریعت میں ہے: "حمل ساقط ہوا اور یہ معلوم نہیں کہ کوئی عُضْو بنا تھا یا نہیں، نہ یہ یاد

1...(فتاوی رضویہ، جلد 13، صفحہ 304، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن)

2...(النہر الفائق ج 1، ص 141، دار الکتب العلمیۃ)

کہ حمل کتنے دن کا تھا(کہ اسی سے عُضْو کا بننا نہ بننا معلوم ہو جاتا یعنی ایک سو بیس ۱۲۰ دن ہو گئے ہیں تو عُضْو بن جانا قرار دیا جائے گا)" [(1)]

عضو بننے یا نہ بننے میں شک ہو تو اسقاط حمل سے عدت مکمل نہیں ہو گی، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:" واذا لم یستبن لم یعلم کونہ ولدا بل یحتمل ان یکون و یحتمل ان لا یکون فیقع الشک فی وضع الحمل فلاتنقضی العدۃ بالشک "اور جب عضو ظاہر نہیں تو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ ولد ہے بلکہ ولد ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہے، تو وضع حمل میں شک ہوا تو شک سے عدت مکمل نہیں ہو گی۔ [(2)]

کوئی بھی عضو بننے سے پہلے حمل ساقط ہو گیا تو پھر عدت یعنی غیر حاملہ کی عدت چار ماہ دس دن ہو گی۔اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

دورانِ عدت حاملہ ہونے والی عورت کا حکم:

عورت شوہر کی وفات کے وقت حاملہ نہیں تھی، لیکن شوہر کی وفات کے بعد دوران عدت حاملہ ہو گئی، تو اس کی عدت وضع حمل نہیں، بلکہ چار ماہ دس دن ہے۔عدتِ وفات کے دوران حاملہ ہو جانے والی عورت کی عدت کے متعلق شمس الائمہ، امام سَرَخْسِی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں:" إذا مات الصبي عن امرأته فظهر بها حبل بعد موته فإن عدتها أربعة أشهر وعشر ولا ينظر إلى الحبل لأنه من زنا حادث بعد موته فلا يغير حكم العدة الواجبة وقد وجب عليها التربص بأربعة أشهر وعشر عند الموت وزعم بعض المتأخرين من مشايخنا أن في امرأة الكبير إذا

1...(بہار شریعت ج 1، حصہ 2، ص378 مکتبۃ المدینہ)

2...(بدائع الصنائع، جلد 4، صفحہ 430، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حدث الولد بعد الموت يكون انقضاء العدة بالوضع وليس كذلك بل الجواب في الفصلين واحد ....وهذا لأن اعتبار وضع الحمل في العدة لحرمة الماء وصيانته ولا حرمة لماء الزاني "جب بچہ اپنی بیوی چھوڑ کر وفات پا جائے اور بیوی کو اس کی موت کے بعد حمل ظاہر ہو جائے، تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور حمل کی طرف نظر نہیں کی جائے گی (یعنی اس کا کوئی اعتبار نہیں)، کیونکہ وہ زنا سے ہے، جو اس کی موت کے بعد ہوا، لہٰذا وہ واجب شدہ عدت (چار ماہ دس دن) کے حکم کو تبدیل نہیں کر سکتا، حالانکہ اس پر موت کے وقت چار ماہ دس دن کا انتظار کرنا واجب ہو چکا اور ہمارے مشائخ میں سے بعض متاخرین نے گمان کیا کہ بالغ شوہر کی بیوی کو جب موت کے بعد بچہ ظاہر ہو، تو عدت کا پورا ہونا وضعِ حمل سے ہو گا، جبکہ ایسا نہیں، بلکہ دونوں صورتوں (چاہے بالغ شوہر کی بیوی عدت میں حاملہ ہو یا نابالغ کی، ہر صورت) میں جواب ایک ہی ہے (کہ عدت چار ماہ دس دن ہو گی)۔ یہ اس لئے ہے کہ عدت میں وضعِ حمل کا اعتبار نطفہ کی عزت اور حفاظت کے لئے ہوتا ہے، جبکہ زانی کے نطفہ کا کوئی احترام نہیں ہے۔[1]

بدائع الصنائع میں اس بارے میں صحیح قول بیان کرتے ہوئے ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں: " لو حملت المعتدة في عدتها ذكر الكرخي ان من حملت في عدتها فالعدة أن تضع حملها ولم يفصل بين المعتدة عن طلاق أو وفاة وقد فصل محمد بينهما فإنه قال فيمن مات عن امرأته وهو صغير أو كبير ثم حملت بعد موته فعدتها الشهور، فهذا نص على أن عدة المتوفى عنها زوجها لا تنتقل بوجود الحمل من الأشهر إلى وضع الحمل، ۔۔۔والصحيح ما ذكره محمد أن عدة المتوفى عنها زوجها لا تتغير بوجود الحمل بعد الوفاة ولا تنتقل من الأشهر إلى وضع الحمل بخلاف عدة الطلاق "ترجمہ: اگر عدت والی عورت عدت

1...۔(مبسوط للسرخسی، ج6، ص52، مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ، مصر)

میں حاملہ ہو جائے، تو امام کرخی نے ذکر کیا ہے کہ جو عورت عدت میں حاملہ ہو جائے، تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور امام کرخی نے طلاق کی عدت والی اور وفات کی عدت والی میں فرق نہیں کیا (یعنی امام کرخی کے نزدیک طلاق کی عدت والی یا وفات کی عدت والی جب عدت میں حاملہ ہو جائے، تو عدت وضع حمل ہو گی) اور امام محمد نے ان دونوں میں فرق کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ جو شخص بیوی چھوڑ کر فوت ہو گیا چاہے شوہر نابالغ ہو یا بالغ ہو، پھر اس کی وفات کے بعد اس کی بیوی حاملہ ہو جائے، تو اس کی عدت مہینوں (چار ماہ دس دن) کے حساب سے ہو گی، تو یہ اس بات پر نص ہے کہ جس کا شوہر فوت ہو جائے، (موت کے بعد) حمل پائے جانے کی صورت میں اس کی عدت مہینوں سے وضع حمل کی طرف منتقل نہ ہو گی۔۔۔ اور صحیح وہی ہے جو امام محمد نے ذکر کیا کہ جس کا شوہر فوت ہو جائے، موت کے بعد حمل پائے جانے کی صورت میں اس کی عدت تبدیل نہ ہو گی اور مہینوں سے وضع حمل کی طرف منتقل نہ ہو گی، برخلاف طلاق کی عدت کے۔[1]

علامہ ابنِ عابدین شامی دِمشقی رحمہ اللہ تعالی لکھتے ہیں: "اعلم ان المعتدة لو حملت فی عدتها ذکر الکرخی ان عدتها وضع الحمل ولم یفصل، والذی ذکرہ محمد ان ھذا فی عدة الطلاق امافی عدة الوفاة فلاتتغیر بالحمل وھو الصحیح" ترجمہ: عدت والی دوران عدت اگر حاملہ ہو جائے تو امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس کی عدت بچے کی پیدائش تک ہے، امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جو بیان کیا، اس کے مطابق یہ حکم طلاق کی عدت کا ہے لیکن اگر وفات کی عدت ہو تو پھر حمل کی وجہ سے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہی رہے گی اور حمل والی عدت کی طرف منتقل نہیں ہو گی، یہی صحیح

1...۔(بدائع الصنائع، ج3، ص201، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

مذہب ہے۔[1]

مذکورہ بالا ردالمحتار کی عبارت کے تحت امام اہلسنت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن لکھتے ہیں:"اقول و وجھه ظاھر ان عدۃ الوفاۃ بالاشھر والطلاق بالحیض والحیض یرتفع بالحبل "ترجمہ: میں کہتا ہوں، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ وفات کی عدت مہینوں کے حساب سے ہوتی ہے اور طلاق کی عدت حیض کے حساب سے ہوتی ہے اور حیض حمل کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے۔[2]

صدرالشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: موت کے بعد اگر حمل قرار پایا، تو عدت وضعِ حمل سے نہ ہو گی، بلکہ دنوں سے (ہو گی)۔[3]

(2) غیر حاملہ عورتوں کی عدت:

ان کی عدت کے متعلق اللہ پاک قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:﴿وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ترجمہ: اور تم میں جو مریں اور بیبیاں چھوڑیں، وہ چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں۔[4]

صحیح بخاری میں ہے:"عن زینب بنت ابی سلمۃ انھا اخبرته قالت دخلت علی ام حبیبۃ زوج النبی صلی اللہ تعالی علیه وسلم فقالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم یقول: لا یحل لِامرأۃ تؤمن باللہ و الیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلٰث الا علی زوج اربعۃ اشھر و عشرا"حضرتِ سَیِّدَتُنا زینب بنتِ ابی سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں

1...(ردالمحتار مع الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج10، ص287، مطبوعہ دار الثقافہ والتراث)

2...(فتاوی رضویہ، ج13، ص325، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

3...(بہارِ شریعت، ج2، ح8، ص238، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

4...(القرآن الکریم، پارہ نمبر 02، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر 234)

نے حضرتِ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کو خبر دی، کہا: میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی زوجہ حضرتِ سیّدتنا اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو انہوں نے کہا: میں نے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: کسی عورت کو حلال نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، مگر یہ کہ شوہر پر چار مہینے دس دن۔"[1]

غیر حاملہ عورت کی عدت 130 دن یا 4ماہ 10 دن یا کچھ اور؟

غیر حاملہ عورت کے شوہر کا انتقال اسلامی مہینے کی پہلی تاریخ کو ہو، تو وفات کی عدت چاند کے حساب سے چار ماہ اور دس دن ہے، اگرچہ مہینے تیس سے کم کے ہوں۔ اگر انتقال اسلامی مہینے کی پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو عدتِ وفات پورے ایک سو تیس دن ہے یعنی مہینا پورے تیس دن کا شمار ہو گا چاند کا اعتبار نہیں ہو گا۔

عدت وفات میں چار مہینے واضح ہیں کہ چاند کی پہلی تاریخ کو انتقال ہوا ہے تو چار مہینے چاند کے اعتبار سے ہوں گے چاہے یہ ماہ انتیس کے ہوں یا تیس کے اور اگر دوران ماہ انتقال ہوا ہے تو ہر ماہ تیس دن کا شمار ہو گا۔ تحقیق طلب بات ہے کہ پانچویں مہینے کا دسواں دن کب مکمل ہو گا؟

اس میں دس راتوں کا اعتبار ہے یا دس دنوں کا اور عدت کی تکمیل غروب آفتاب پر ہو گی یا طلوع فجر پر یا پھر دن چوبیس گھنٹے کا لیا جائے گا؟

غیر حاملہ کی عدت کب مکمل ہو گی؟

تجویز عقلی پر عدت وفات کی تکمیل میں چار اقوال بنتے ہیں۔

1...(صحیح بخاری، ج1، ص248، مطبوعہ لاہور)

(1) پانچویں مہینے کی دس راتیں گزرنا ضروری ہیں۔ دن چاہے نو(9) گزرے ہوں یا دس۔

(2) پانچویں مہینے کے دس دن گزرنا ضروری ہیں۔ راتیں چاہے نو(9) گزری ہوں یا دس۔

(3) پانچویں مہینے کے دس دن اور دس راتیں کامل گزرنا ضروری ہیں۔

(4) ایک کامل دن کے لیے دن اور رات کا اعتبار نہیں، بلکہ ایام حیض کی طرح 24 ساعات فلکیہ کا اعتبار ہے، لہٰذا شوہر کے وقتِ انتقال سے چار ماہ دس دن بعد جب وقتِ انتقال کی ساعت آئے گی ،تو عورت کی عدت پوری ہو گی۔

قول رابع کے معتبر نہ ہونے کی وجوہات:

عدت وفات میں **قول رابع** معتبر نہیں ہے کہ اولاً: کسی کا قول نہیں۔

ثانیاً: ہر مقام پر یوم کی تعبیر مختلف ہے اور ایک جگہ کی تعبیر کو دوسری جگہ پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔

کیونکہ لفظ یوم متعدد مقامات پر استعمال ہوتا ہے، لیکن ہر جگہ پر اس سے مراد یکساں نہیں۔ جیسے مدت سفر تین ایام ہیں، جیسا کہ تنویر میں مسافر کے بارے میں ہے: "من خرج من عمارة موضع اقامته قاصداً مسیرة ثلاثة ایام و لیالیھا" جو موضع اقامت کی آبادی سے تین دن تین رات کے ارادے سے نکلا۔

لیکن اس میں یوم سے مراد صبح سے لے کر زوال تک کا سفر ہے، جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: "فان المسافر اذا بکر فی الیوم الاول و سار الی وقت الزوال حتی بلغ المرحلة فنزل بھا للاستراحة و بات بھا ثم بکر فی الیوم الثانی و سار الی ما بعد الزوال و نزل ثم بکر فی الیوم الثالث و مشی الی الزوال فبلغ المقصد۔ قال شمس الائمة السرخسی: الصحیح انه یصیر

مسافراً عند النية کما فی الجوھرة و البرھان "کیونکہ مسافر جب پہلے دن صبح سویرے نکلے اور زوال کے وقت تک چلتا رہے حتی کہ ایک مرحلہ تک پہنچے، پھر آرام کے لیے اُترے اور بقیہ رات وہاں گزارے، پھر دوسرے دن صبح سویرے نکلے اور زوال کے بعد تک چلے اور اُترے، پھر تیسرے دن صبح سویرے نکلے اور زوال تک چلے اور مقصد تک پہنچ جائے، تو شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ نیت کی صورت میں مسافر ہو جائے گا، جیسا کہ جوہرہ و برہان میں ہے۔[1]

یونہی اقامت کے لیے پندرہ ایام کامل ٹھہرنے کی نیت ضروری ہے، جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "وہاں پندرہ دن کامل ٹھہرنے کا قصد نہ ہو تو قصر کریں گے، ورنہ پوری پڑھیں گے، ہاں یہ جو بھیجا گیا اگر اس وقت حالتِ سفر میں ہے، مقیم نہیں تو کم بیش جتنی دور بھی بھیجا جائے گا، مسافر ہی رہے گا، جب تک پندرہ دن کامل ٹھہرنے کی نیت نہ کرے یا اپنے وطن نہ پہنچے۔"[2]

لیکن یہاں یوم سے مراد رات گزارنا ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے: "لو نوی الاقامۃ بمکۃ خمسۃ عشر یوماً فانہ لا یتم الصلاۃ لان الاقامۃ لا تکون فی مکانین اذ لو جازت فی مکانین لجازت فی اماکن فیؤدی الی ان السفر لا یتحقق لان الاقامۃ المسافر فی المراحل لو جمعت کانت خمسۃ عشر یوماً او اکثر الا اذا نوی ان یقیم باللیل فی احدھما فیصیر مقیماً بدخولہ فیہ لان اقامۃ المرء تضاف الی مبیتہ " اگر مکہ میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کی، تو نماز پوری نہیں پڑھے گا، کیونکہ اقامت دو مکانوں میں نہیں ہوتی کہ اگر دو مکانوں میں درست ہوتی، تو پھر کئی

1...(ردالمحتار، ج2، ص724، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(فتاوی رضویہ، ج8، ص270، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مقامات میں بھی درست ہو گی، جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ سفر متحقق نہیں ہو گا، کیونکہ مسافر کی چند مرحلوں میں اقامت اگر جمع کی جائے ،تو وہ پندرہ یا اس سے زائد دن ہو گی،تو دو جگہوں میں اقامت کی نیت کرنے والا مقیم نہ ہو گا، مگر جبکہ ان میں سے کسی ایک میں رات گزارنے کی نیت کرے،تو اس میں جانے سے مقیم ہو جائے گا کہ بندہ کی اقامت رات گزارنے کی جگہ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔[1]

ردالمحتار میں ہے:" فان دخل اولاً الموضع الذی نوی المقام فیہ نهاراً لا یصیر مقیماً، و ان دخل اولاً ما نوی المبیت فیہ یصیر مقیماً، ثم بالخروج الی الموضع الآخر لا یصیر مسافراً؛ لان موضع اقامۃ الرجل حیث یبیت بہ۔ حلیۃ"پس اگر پہلے اس جگہ داخل ہوا کہ جہاں دن میں رہنے کی نیت تھی،تو مقیم نہیں ہو گا اور اگر پہلے اس میں داخل ہوا جس میں رات گزارنے کی نیت کی تھی تو مقیم ہو جائے گا، پھر دوسری جگہ آنے سے مسافر نہیں ہو گا،کیونکہ آدمی کی جائے اقامت وہ ہے کہ جہاں وہ رات گزارے۔ حلیہ۔[2]

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:"اگر پندرہ راتوں کی نیت پوری یہیں ٹھہرنے کی تھی، اگرچہ دن میں کہیں اور جانے اور واپس آنے کا خیال تھا،تو اقامت صحیح ہو گئی، نماز پوری پڑھی جائے گی۔"[3]

حیض کی مدت میں یوم فقہاء نے ساعات فلکیہ کے اعتبار سے 24 گھنٹوں کا لیا۔ جیسا کہ

1...(بحر الرائق،ج2،ص232، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(ردالمحتار،ج2،ص730، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(فتاوی رضویہ،ج8،ص251، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور)

در مختار میں مدت حیض کے بارے میں ہے:" و (اقله ثلاثة ایام بلیالیها) الثلاث، فالاضافة لبیان العدد المقدر بالساعات الفلکیة لا للاختصاص، فلا یلزم کونها لیالی تلک الایام" اور اس کی کم از کم مدت تین دن، تین رات ہے، تو یہ اضافت تعداد بیان کرنے کے لیے ہے، جس میں اعتبار فلکی ساعت کا ہے یہ اضافت اختصاص کے لیے نہیں تو لازم نہیں کہ وہ انہی ایام کی راتیں ہوں۔

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:" قوله:(بالساعات) و هی اثنتان و سبعون ساعة" شارح کا قول: ساعات۔ اور یہ بہتر (72) گھنٹے ہیں۔[1]

بہار شریعت میں حیض سے متعلق ہے:"72 گھنٹے سے ذرا بھی پہلے ختم ہو جائے، تو حَیض نہیں بلکہ اِستحاضہ ہے، ہاں اگر کرن چمکی تھی کہ شروع ہوا اور تین دن تین راتیں پوری ہو کر کرن چمکنے ہی کے وقت ختم ہوا، تو حَیض ہے، اگرچہ دن بڑھنے کے زمانہ میں طلوع روز بروز پہلے اور غروب بعد کو ہوتا رہے گا اور دن چھوٹے ہونے کے زمانہ میں آفتاب کا نکلنا بعد کو اور ڈوبنا پہلے ہوتا رہے گا جس کی وجہ سے ان تین دن رات کی مقدار ۷۲ گھنٹے ہونا ضرور نہیں، مگر عین طلوع سے طلوع اور غروب سے غروب تک ضرور ایک دن رات ہے، ان کے ماسوا اگر اَور کسی وقت شروع ہوا، تو وہی ۲۴ گھنٹے پورے کا ایک دن رات لیا جائے گا، مثلاً آج صبح کو ٹھیک نو بجے شروع ہوا اور اس وقت پورا پہر دن چڑھا تھا، تو کل ٹھیک نو بجے ایک دن رات ہو گا، اگرچہ ابھی پورا پہر بھر دن نہ آیا، جب کہ آج کا طلوع کل کے طلوع سے بعد ہو، یا پہر بھر سے زِیادہ دن آ گیا ہو، جبکہ آج کا طلوع کل کے طلوع سے پہلے ہو۔"[2]

1...(ردالمحتار، ج1، ص523، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(بہار شریعت، ج01، حصہ02، ص372، مکتبۃ المدینہ)

نیز ایام حیض میں اس بات کا کوئی اعتبار نہیں رات اگلے دن کے ساتھ ہے یا پچھلے دن کے ساتھ جیسا کہ ردالمحتار میں گزرا، جبکہ عام ایام میں رات آنے والے دن کے تابع ہوتی ہے اور ایام عرفہ و ایام نحر کی رات گزشتہ دن کے تابع ہوتی ہے۔ جیسا کہ در مختار میں ہے: "و اعلم ان اللیالی تابعة للایام الا لیلة عرفة و لیالی النحر فتبع للنهر الماضیة رفقاً بالناس " اور تم جان لو کہ راتیں دنوں کے تابع ہوتی ہیں، مگر عرفہ کی رات اور نحر کی راتیں کہ وہ لوگوں میں نرمی کرتے ہوئے گزشتہ دن کے تابع کی گئی۔[1]

حاصل یہ ہے کہ مختلف مقامات پر یوم کی تعبیر مختلف ہے، لہٰذا ایک مقام کی تعبیر کو دوسرے مقام پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح حیض کے یوم کی تعبیر کو مدت سفر و اقامت کے یوم میں نہیں لیا جا سکتا کہ ان مقامات میں یوم کی اپنی ایک الگ تعبیر ہے، یونہی حیض کے یوم کی تعبیر کو ایام عدت میں بھی نہیں لیا جا سکتا ہے کہ مقام عدت میں بھی یوم اپنی ایک الگ تعبیر ہے۔

قول اول کی حیثیت:

البتہ **قول اول**:(1): پانچویں مہینے کی دس راتیں گزرنا ضروری ہیں۔ دن چاہے نو(9) گزرے ہوں یا دس۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالی عنہ، یحیی بن ابی کثیر، امام اوزاعی اور محمد بن فضل علیہم الرحمۃ کا ہے اور امام قاضی خان علیہ الرحمۃ نے اس قول کو احتیاط کے زیادہ قریب قرار دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "وحکی عن الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ انہ قال تعتد

1...۔(در مختار مع ردالمحتار، ج3، ص511، مطبوعہ کوئٹہ)

اربعة اشهر وعشر لیال لان اللہ تعالی ذکر العشر مذکراً وجمع الایام یذکر بلفظ التأنیث فعلی قولہ تزید بلیلة واحدة وھذا اقرب الی الاحتیاط" اور شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ چار ماہ اور دس راتیں عدت کرے کہ اللہ تعالی نے عشر کو مذکر ذکر کیا اور لیالی کی جمع مذکر ذکر کی جاتی ہے، ایام کی جمع تانیث کے ساتھ، تو اس قول پر ایک رات مزید کرے اور یہ احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔[1]

غیر حاملہ کی عدت مکمل ہونے میں جمہور کا قول:

قول ثالث: پانچویں مہینے کے دس دن اور دس راتیں کامل گزرنا ضروری ہیں۔ یہ قولِ جمہور ہے۔ عمدۃ القاری میں ہے: "ھل المراد منه الایام و اللیالی؟ففیه قولان للعلماء: احدھما، و ھو قول الجمھور: ان المراد الایام بلیالیھا۔ و الآخر: ان المراد للیالی و انھا تحل فی الیوم العاشر، و ھو قول یحیی بن ابی کثیر و الاوزاعی "کیا اس سے مراد دن اور راتیں ہیں؟ تو اس میں علماء کے دو قول ہیں: ایک قول اور یہی جمہور کا قول ہے کہ مراد ایام اپنی راتوں کے ساتھ ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ مراد راتیں ہیں اور وہ دسویں دن آزاد ہو جائے گی اور یہی یحیٰ بن ابی کثیر اور اوزاعی کا قول ہے۔[2]

مبسوط للسرخسی میں ہے: "ان المعتبر عشرة ایام و عشر لیال من الشھر الخامس عندنا" ہمارے نزدیک معتبر پانچویں مہینے کے دس دن اور دس راتیں ہیں۔[3]

1...۔(فتاوی قاضی خان، ج1، ص500، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

2...۔(عمدۃ القاری، ج8، ص95، مطبوعہ کوئٹہ)

3...۔(مبسوط للسرخسی، ج6، ص35، مطبوعہ کوئٹہ)

ردالمحتار میں ہے:"وفی غرر الاذ کار:ای:عشر لیال مع عشرۃ ایام من شھر خامس" غرر الاذکار میں ہے:یعنی پانچویں مہینے کے دس رات،دس دنوں کے ساتھ۔[1]

جوہرہ میں ہے:"واذا مات الرجل عن امرأتہ الحرۃ فعدتھا اربعۃ اشھر وعشرۃ وھذہ العدۃ لا تجب الا فی نکاح صحیح سواء دخل بھا او لم یدخل والمعتبر عشرۃ ایام وعشر لیال من الشھر الخامس "اور جب بندہ آزاد عورت چھوڑ کر فوت ہو، تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہ عدت واجب نہیں ہو گی، مگر نکاح صحیح میں برابر ہے اس سے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، اور معتبر پانچویں ماہ کے دس دن اور دس راتیں ہیں۔[2]

بنایہ میں ہے:"الفصل الثانی:ان یعتبر عشر لیال وعشرۃ ایام عندالجمھور" دوسری فصل: یہ کہ جمہور کے نزدیک معتبر دس راتیں اور دس دن ہے۔[3]

قول ثانی پر عمل کیا جائے یا نہیں؟

قول ثانی: یہ بحرالرائق کی ایک عبارت سے ناشی ہے جسے صاحب بحر نے مسامحۃً قولِ عامہ قرار دے دیا۔ وہ یہ ہے کہ اگر شوہر کا انتقال طلوع فجر سے قبل ہوا، تو پانچویں مہینے میں سے دس دن مکمل ہونے پر یعنی دسویں دن کے غروب آفتاب پر عدت مکمل ہو جائے گی، اگرچہ راتیں نو گزری ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن نجیم مصری علیہ الرحمۃ بحرالرائق میں لکھتے ہیں:"وإنما یظھر الاختلاف فیما إذا مات قبل طلوع الفجر وتربصت الأھلۃ الأربعۃ فإن عدتھا لا تنقضي بمضي الیوم العاشر من الخامس

1...(ردالمحتار،ج5،ص190، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(الجوہرۃ النیرۃ،ج2،ص245، مطبوعہ لاہور)

3...(البنایۃ شرح الھدایۃ،ج5،ص411، مطبوعہ کوئٹہ)

بل لا بد من مضي الليلة التي بعد العاشر على قول الفضلي والأوزاعي وعلى قول العامة تنقضي بغروب الشمس ولا يخفى أن الأول أحوط "اور اختلاف اس صورت میں ظاہر ہو گا کہ جب طلوع فجر سے پہلے فوت ہوا اور عورت نے چار ماہ انتظار کیا، تو اس کی عدت پانچویں ماہ کے دسویں دن گزرنے سے پوری نہیں ہو گی، بلکہ دسویں دن کے بعد کی رات گزرنا بھی ضروری ہے، امام فضلی اور امام اوزاعی کے قول کے مطابق اور عام علماء کے مطابق سورج ڈوبنے سے عدت پوری ہو جائے گی اور پوشیدہ نہیں کہ اول میں زیادہ احتیاط ہے۔

حالانکہ اس سے متصل خود صاحبِ بحر مجتبیٰ کے حوالے سے لکھتے ہیں: "وفي المجتبى أن العشر عشرة أيام وعشر ليال من الشهر الخامس عندنا" اور مجتبیٰ میں ہے کہ دس سے مراد ہمارے نزدیک پانچویں ماہ کے دس دن اور دس راتیں ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ نے صاحب بحر کے اسی تسامح کا تدارک کرتے ہوئے ارشاد فرمایا" بل ھو مساوٍ لقول العامۃ "یعنی جب شوہر کا انتقال طلوع فجر سے پہلے ہو، تو قول عامہ، امام اوازعی و ابن فضل کے قول کے مساوی ہے کہ قولِ عامہ میں دس دن کے ساتھ دس راتیں بھی گزرنا ضروری ہیں۔ جیسا کہ ردالمحتار میں ہے: " وما مر عن الاوزاعی عزاہ فی الخانیۃ لابن الفضل و قال: انہ احوط، لانہ یزید بلیلۃ: ای: لو مات قبل طلوع الفجر فلا بد من مضی اللیلۃ بعد العاشر۔ و علی قول العامۃ تنقضی بغروب الشمس کما فی البحر، بل ھو مساوٍ لقول العامۃ لما علمت من التقدیر بعشرۃ ایام و عشر لیال و قد ینقص عن قولھم لو فرض الموت بعد الغروب فکان الاحوط قولھم لا" اور یہ جو امام اوزاعی سے مروی ہے، اسے خانیہ میں ابن الفضل کی طرف منسوب کیا اور کہا کہ یہی احوط ہے، کیونکہ اس میں ایک رات زیادہ بیٹھنا ہو گا یعنی اگر طلوع فجر سے

پہلے فوت ہوا، تو دسویں کے بعد کی رات گزرنا بھی ضروری ہے اور عام علماء کے قول کے مطابق سورج ڈوبنے کے ساتھ عدت پوری ہو جائے گی۔[1]

حاصل یہ ہے کہ طلوع فجر سے پہلے اگر شوہر کا انتقال ہوا قول عامہ پر دسویں دن کے غروب آفتاب پر عدت مکمل نہیں ہو گی، بلکہ دسویں رات گزرنا بھی ضروری ہے کہ قول عامہ پانچویں مہینے کے فقط دس دن گزرنا نہیں، بلکہ دس دن اور دس رات گزرنا ہے، لہٰذا طلوع فجر سے قبل انتقال فرض کرنے کی صورت میں قول عامہ اور قول امام اوزاعی و ابن فضل برابر ہیں، ہاں اگر غروب آفتاب کے فوراً بعد انتقال ہوا، تو امام اوزاعی و ابن فضل کے قول پانچویں مہینے کے دسویں رات گزرتے ہی عدت پوری ہو جائے گی، جبکہ ابھی دسواں دن باقی ہے اور قول عامہ پر دسواں دن گزرنا بھی ضروری ہے اور عدت غروب آفتاب پر مکمل ہو گی، **لہٰذا احوط جمہور کا قول ہے**، نہ کہ امام اوزاعی و ابن فضل و غیر ہم کا ۔۔۔۔۔ یہاں پر کلام کا اختتام ہوا۔

بحر میں ہے: " والحاصل أن الأوزاعي يقول بتسعة أيام وعشر ليال حتى لو تزوجت في اليوم العاشر جاز هكذا فرعه في معراج الدراية على قول الأوزاعي وتبعه في فتح القدير لكن في فتاوى قاضي خان حكي عن الفضلي كقول الأوزاعي" اور حاصل یہ ہے کہ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ نو دن اور دس راتیں حتی کہ اگر دسویں دن نکاح کیا، تو جائز ہے۔ اسی طرح معراج الدرایہ میں امام اوزاعی کے قول پر تفریع بیان کی اور فتح القدیر میں اس کی اتباع کی، لیکن فتاوی قاضی خان میں امام فضلی سے امام اوزاعی کے قول کی طرح حکایت کی ہے۔

یہاں پر بحر کی عبارت میں "وتبعه في فتح القدير" ہے جبکہ فتح القدیر میں قول اوزاعی

---

1 ...(ردالمحتار، ج5، ص190، مطبوعہ کوئٹہ)

کی پیروی نہیں، بلکہ اس کا رد و تعقب ہے۔ جیسا کہ فتح القدیر میں ہے:"وقال الأوزاعي: أربعة أشهر وعشر ليال، فلو تزوجت في اليوم العاشر جاز أخذا من تذكير العدد: أعني العشر في الكتاب والسنة وهو قوله صلى الله عليه وسلم {لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاثة أيام إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا} فيجب كون المعدود الليالي وإلا لأنثه. قلنا: الاستعمال في مثله من ذكر عدة الليالي يدخل ما بإزائها من الأيام على ما عرف بالتاريخ حيث يكتب بالليالي فيقال لسبع خلون مثلا ويراد كون عدة الأيام كذلك" اور امام اوزاعی نے کہا کہ چار ماہ اور دس راتیں، تو اگر دسویں دن شادی کی، تو جائز ہے، عدد کے مذکر ہونے سے دلیل اخذ کرتے ہوئے انہوں نے یہ بات کہی یعنی کتاب و سنت میں مذکور لفظ عشر سے اور حدیث وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ کسی میت پر تین دن سوگ کرے مگر شوہر پر کہ چار ماہ اور عشر یعنی دس۔ تو واجب ہوا کہ راتیں بھی شمار کی جائیں گی ورنہ مؤنث کا صیغہ ہوتا۔۔ ہم نے کہا کہ اس کی مثل میں راتوں کی تعداد ذکر کرنے میں مستعمل یہ ہے کہ اس کا مقابل یعنی دن بھی شامل ہوتے ہیں، جیسا کہ تاریخ میں معروف و مشہور ہے کہ راتیں لکھی جاتی ہیں، تو کہا جاتا ہے سات باقی تھے مثلا اور مراد اس طرح دنوں کی تعداد ہوتی ہے۔[1]

لہٰذا درست عبارت "وتبعه في فتح القدير" کے بجائے "وتعقبه في فتح القدير" ہونی چاہیے۔

اعتراض:

اگر شوہر کا انتقال اسلامی مہینے کی پہلی تاریخ کے علاوہ کسی اور تاریخ میں ہوا ہو، تو عدتِ

---

1 ...(فتح القدیر، ج4، ص282، مطبوعہ کوئٹہ)

وفات پورے ایک سو تیس دن ہے اور دن کے مکمل ہونے کے متعلق حکمِ شرعی یہ ہے کہ جس وقت شوہر کا انتقال ہوا ہے، اگلے دن اسی وقت ایک دن پورا ہو گا، مثلاً اگر کسی شخص کا انتقال 23 مئی 2023ء بروز منگل ظہر کے وقت ٹھیک 1:00 بجے ہوا، تو 24 مئی 2023ء بمطابق 03ذی قعدہ 1444ھ بروز بدھ ظہر کے وقت ٹھیک 1:00 بجے ایک دن پورا ہونا کہلائے گا۔علی ھذاالقیاس یوں ایک سو تیس دن پورے کیے جائیں گے ، ایک سو تیسویں دن ٹھیک ایک بجے عدت مکمل ہو گی۔

عدت طلاق بالشہور کے متعلق ملتقی الابحر اور در منتقٰی میں ہے:"(و ان كانت لاتحيض لكبر أو صغر أو بلغت بالسن ولم تحض) فعدتها (ثلاثة أشهر) هلالية اتفاقا اتفق ذالك في غرة الشهر و الا فبالأيام عند الامام"ترجمہ:اور اگر اس عورت کو بڑھاپے یا نابالغی کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو یا وہ عمر کے حساب سے بالغہ ہوئی اور اس کو حیض نہ آیا،تو اس کی عدت بالاتفاق چاند کے حساب سے تین ماہ ہے، جبکہ طلاق مہینے کے شروع میں ہوئی ہو ورنہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دنوں کے حساب سے عدت ہو گی۔[1]

اس کے بعد **عدتِ وفات کا مسئلہ** بیان کرتے ہوئے فرمایا:"(و للموت في نكاح صحيح أربعة أشهر وعشرة أيام) من وقت الأيام فان في أول الشهر فبالأهلة و الا فعلىٰ ما مر"ترجمہ:اور موت کی عدت نکاح صحیح ہونے کی صورت میں موت کے وقت سے چار ماہ دس دن ہے،تو اگر مہینے کی پہلی تاریخ میں ہو تو چاند کے حساب سے،ورنہ اسی اعتبار سے جو (عدت طلاق بالشہور میں) گزر چکا۔[2]

1...(ملتقی الابحر مع المجمع والدر المنتقٰی، جلد02، صفحہ 143، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(ملتقی الابحر مع المجمع والدر المنتقٰی، جلد02، صفحہ 143، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح جامع الرموز قہستانی میں عدتِ وفات والے مسئلہ کو عدت طلاق بالشہور والے مسئلہ سے تشبیہ دیتے ہوئے لکھا: "(للموت أربعة أشهر) هلالية أو يومية كما مر (وعشر)" ترجمہ: وفات کی عدت چار ماہ اور دس دن ہیں، یہ مہینے چاند کے حساب سے ہوں یا دنوں کے حساب سے، جیسا کہ (عدت طلاق بالشہور والے مسئلہ میں) گزرا۔[1]

عدت کا شمار دنوں کے ساتھ ہونے والی صورت کا حکم بیان کرتے ہوئے علامہ رضی الدین سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے محیط رضوی میں فرمایا: "ولو طلقها في نصف اليوم في وسط الشهر تنقضي عدتها بمجيئ مثل ذالک الوقت من اليوم الأخير و قال مالک: لا تنقضى الا بتمام اليوم الأخير و الصحيح قولنا، لأن مدة العدة قدرت بثلاثة أشهر فلا يجوز الزيادة عليها" ترجمہ: اور اگر بیوی کو مہینے کے درمیان میں آدھے دن کے وقت طلاق دی، تو آخری دن جب اسی وقت کے مثل وقت آئے گا، تو اس وقت اس کی عدت پوری ہو جائے گی، اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کی عدت آخری دن مکمل ہونے پر ہی ہو گی اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ عدت کی مدت کی مقدار تین مہینوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے، لہٰذا اس پر زیادتی کرنا، جائز نہیں ہو گا۔[2]

محیط رضوی کے اس جزئیہ سے معلوم ہوا کہ مہینے کے درمیان میں انتقال ہونے کی صورت میں عدت مکمل ہونے کے متعلق آخری دن کے غروب آفتاب کا اعتبار کرنا امام مالک علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے، احناف علیہم الرحمۃ کا مذہب نہیں۔

1...(جامع الرموز، جلد 01، صفحہ 579، مطبوعہ کراچی)

2...(المحیط الرضوی، کتاب العدۃ، جلد 03، صفحہ 500، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت)

جواب:

محیط رضوی کی عبارت سے جو ایہام حاصل ہوا وہ امام مالک کے قول کو سمجھے بغیر اور کتب مالکیہ کی طرف مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا، اگر کتب مالکیہ کی طرف مراجعت کر لی جاتی، تو امام رضی الدین سرخسی رحمہ اللہ تعالی کا فرمان بے غبار ہو جاتا اور واضح سمجھ میں آ جاتا۔

مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اسلامی تقویم میں پہلے رات آتی ہے اور اس کے بعد دن۔ یہ رات و دن مل کر ایک کامل یوم بناتے ہیں یعنی تمامیت یوم ہوتی ہے، اگر شوہر کا انتقال رات میں ہوا اگرچہ طلوع فجر سے قبل ہوا ہو، تو عدت کی تکمیل ایک سو تیسویں دن کے غروب آفتاب پر ہو جائے گی کہ معتدہ نے رات اور دن کے اعتبار سے کامل یوم پالیا اور تمامیت یوم ہو گئی۔ اگر شوہر کا انتقال دن میں ہوا، تو یوم ناقص ہونے کی وجہ سے تمامیت یوم نہیں ہو گی اس لیے اسے شمار نہیں کیا جائے گا، اگرچہ اس میں متعدہ پر عدت کے احکامات لاگو ہوں گے اور پہلا دن غروب آفتاب سے شروع ہو گا۔

یوں معتدہ کی عدت چار ماہ دس سے بڑھ جائے گی اور نابالغہ و آئسہ کی عدتِ طلاق تین ماہ سے بڑھ جائے گی، جبکہ ان کی عدت کی مقدار تین ماہ ہے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ شوہر کا انتقال دن میں ہوا، تو اس کا وقت دن ہے، اس لیے عدت غروب آفتاب پر مکمل ہو جائے گی اور اگر رات میں ہوا ہے، تو اس کا وقت رات ہے، اس لیے طلوع فجر پر مکمل ہو جائے گی۔ اس وقت (یعنی رات یا دن) پر زیادتی جائز نہیں۔

چنانچہ مذہب مالکیہ کی معتمد کتاب منح الجلیل فی شرح مختصر خلیل میں ہے: "(وَ) تُعْتَبَرُ الْأَشْهُرُ فِي الْعِدَّةِ بِالْأَهِلَّةِ كَامِلَةً كَانَتْ أَوْ نَاقِصَةً إنْ وَقَعَ الطَّلَاقُ فِي أَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ الشَّهْرِ وَإِنْ وَقَعَ

فِي أَثْنَائِهِ اعْتَبَرَتْ الثَّانِيَ وَالثَّالِثَ بِالْهِلَالِ (وَتُمِّمَ) بِضَمٍّ فَكَسْرٍ مُثَقَّلًا الشَّهْرُ الْأَوَّلُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا (مِنْ) الشَّهْرِ (الرَّابِعِ فِي) صُورَةِ (الْكَسْرِ) لِلشَّهْرِ الْأَوَّلِ بِالطَّلَاقِ فِي أَثْنَائِهِ (وَلَغَا) بِفَتْحِ الْغَيْنِ الْمُعْجَمَةِ أَيْ لَا يَحْسَبُ مِنْ الْعِدَّةِ (يَوْمُ الطَّلَاقِ) الَّذِي وَقَعَ الطَّلَاقُ بَعْدَ طُلُوعِ فَجْرِهِ فَإِنْ وَقَعَ لَيْلًا قَبْلَ طُلُوعِ الْفَجْرِ حُسِبَ الْيَوْمُ مِنْهَا وَكَذَا عِدَّةُ الْوَفَاةِ" اور عدت میں مہینے چاند کے حساب سے لیے جائیں گے، چاند مکمل ہو یا ناقص بشرطیکہ طلاق مہینے کی پہلی رات ہو اور اگر دوران ماہ ہو، تو دوسرا اور تیسرا مہینا چاند کے حساب سے ہو گا اور (پورا کیا جائے گا) اس میں عربی لفظ "تمم" ضمہ پھر کسرہ اور تشدید کے ساتھ ہے۔ پہلا مہینا تین دن کے حساب سے پورا کیا جائے گا چوتھے مہینے سے۔ اس صورت میں کہ جب دوران ماہ طلاق دینے کی وجہ سے پہلا مہینا ٹوٹا ہو اور طلاق کا دن لغو ہو گا۔ لغا، غین نقطہ والا ہے اور اس پر فتحہ ہے یعنی طلوع فجر کے بعد جس دن طلاق دی گئی وہ عدت میں شمار نہیں ہو گا، تو اگر رات میں طلاق واقع ہوئی طلوع فجر سے پہلے، تو وہ دن بھی شمار میں آئے گا۔ اسی طرح عدت وفات میں۔[1]

شرح مختصر الخلیل للخرشی میں ہے: "(ص) وَلَغَا يَوْمُ الطَّلَاقِ (ش) يَعْنِي أَنَّ الْمَرْأَةَ إذَا طَلَقَتْ فِي أَثْنَاءِ الْيَوْمِ فَإِنَّهَا تُلْغِي بَعْضَ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَا تَحْتَسِبُ بِهِ نَعَمْ إنْ طَلَّقَهَا قَبْلَ فَجْرِهِ فَإِنَّهَا تَحْتَسِبُ بِهِ وَكَذَلِكَ الْمُعْتَدَّةُ مِنْ وَفَاةٍ فَإِنَّهَا تُلْغِي يَوْمَ الْمَوْتِ نَعَمْ إنْ مَاتَ قَبْلَ فَجْرِهِ اعْتَدَّتْ بِهِ؛ لِأَنَّ اللَّيْلَةَ الْمَاضِيَةَ قَدْ أَدْرَكَتْهَا بِإِدْرَاكِ جُزْءٍ مِنْهَا وَنَظِيرُ ذَلِكَ فِي الِاعْتِدَادِ بِالْيَوْمِ بِإِدْرَاكِ مَا قَبْلَ الْفَجْرِ نِيَّةُ الْمُسَافِرِ إقَامَةَ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ وَالِاعْتِدَادُ بِيَوْمِ الْوِلَادَةِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَدُخُولُ الْمُعْتَكِفِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَنَحْوِ ذَلِكَ وَقَوْلُهُ وَلَغَا أَيْ عَدُّهُ وَأَمَّا حُكْمُهُ فَيُعْتَبَرُ فَلَا تُخْطَبُ وَلَا يُعْقَدُ فِيهِ عَلَيْهَا" (ص) اور طلاق کا دن لغو ہو جائے گا۔ (ش) مراد یہ ہے کہ عورت کو جب اثنائے یوم طلاق دی گئی، تو وہ

1...۔(منح الجلیل، ج4، ص300، باب فی العدۃ وما یتعلق بھا، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بعض دن لغو ہو گا، عدت میں شمار نہیں ہو گا، ہاں اگر طلاق فجر سے پہلے دی، تو وہ شمار ہو گا اور اسی طرح وفات کی عدت میں کہ موت کا دن لغو ہو گا، ہاں اگر فجر سے پہلے موت ہوئی، تو وہ دن شمار ہو گا، کیونکہ پچھلی رات کا جز پانے کی وجہ سے اس نے رات پالی اور فجر سے پہلے ملنے کی صورت میں وہ دن شمار ہو گا اس کی نظیر مسافر کا چار دن سے پہلے اقامت کی نیت کرنے اور فجر سے پہلے ولادت کا دن شمار ہونے اور فجر سے پہلے معتکف کا مسجد میں داخل ہونے اور اس جیسے مسائل ہیں۔۔۔اور یہ قول کہ لغو ہو جائے گا یعنی اس کو شمار نہیں کریں گے۔باقی حکم کے اعتبار سے تو وہ معتبر ہو گا، لہٰذا اس کو نکاح کا پیغام نہیں دیا جائے گا اور نہ اس میں عقد کیا جائے گا۔[1]

مذہب مالکیہ ملاحظہ کرنے کے بعد محیط رضوی ملاحظہ فرمائیں گے، تو ایہام دور اور عبارت بے غبار ہو جائے گی۔ چنانچہ امام رضی الدین سرخسی رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں: "ولو طلقها في نصف اليوم في وسط الشهر تنقضي عدتها بمجيئ مثل ذالک الوقت من اليوم الأخير و قال مالک: لا تنقضي الا بتمام اليوم الأخير و الصحيح قولنا، لأن مدة العدة قدرت بثلاثة أشهر فلا يجوز الزيادة عليها" اور اگر درمیان ماہ آدھے دن میں طلاق دی، تو اس کی عدت آخری دن یہ وقت آنے پر پوری ہو گی اور امام مالک نے فرمایا کہ پوری نہیں ہو گی مگر یہ کہ وہ آخری دن مکمل گزر جائے۔اور صحیح ہمارا قول ہے، کیونکہ مدت تین ماہ سے مقدر کی گئی ہے، تو اس پر زیادتی جائز نہیں۔[2]

پھر محیط رضوی کی عبارت سے پیدا ہونے والے ایہام کے علاوہ کتب احناف میں ایسا کوئی

1...(شرح مختصر الخلیل، ج4، ص139، باب العدۃ، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

2...(المحیط الرضوی، کتاب العدۃ، جلد 03، صفحہ 500، مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

قول نہیں ہے۔ جس میں یہ فرق کیا گیا ہو کہ مہینے کی پہلی تاریخ کو شوہر کا انتقال ہوا ہے، تو غروب آفتاب پر عدت مکمل ہو گی اور اگر اثنائے شہر انتقال ہوا ہے، عدت کی تکمیل میں یوم ساعات فلکیہ کے اعتبار سے ہو گا۔

مزید یہ کہ در منتقی میں مذکور لفظ "وقت" سے ساعت فلکیہ مراد لینا باطل محض ہے۔اس میں وقت کا لفظ دونوں صورتوں کے لیے استعمال کیا گیا، چاہے شہور ہلالیہ ہوں یا ایام کے اعتبار سے۔ چنانچہ در منتقی میں ہے:"(وفی نکاح صحیح اربعة اشھر و عشرة ایام) **من وقت الموت** فان فی اول الشھر فبالا ھلة و الا فعلی ما مر، و قد مر مراراً ان ذکر عدد کل من الایام و اللیالی بصیغة الجمع یقتضی دخول ما بازائه من الآخر، و جزم فی الکافی بان الایام تابعة للیالی "(اور نکاح صحیح میں چار ماہ اور دس دن) موت کے وقت سے پھر اگر مہینے کے شروع میں موت ہوئی، تو چاند کے ساتھ، ورنہ بیان کردہ تفصیل کے مطابق اور یہ بات کئی بار بیان ہو چکی کہ دنوں اور راتوں کی تعداد جمع کے ساتھ ذکر کرنا اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے مقابل دوسری چیز بھی شامل ہے اور کافی میں جزم کیا کہ راتیں تابع ہیں۔[1]

یونہی امام شمس الدین خراسانی قہستانی رحمہ اللہ تعالی جامع الرموز میں لکھتے ہیں:" (للموت) من وقته لا من وقت الخبر اربعة اشھر ھلالیة او یومیة کما مر (و عشر) من اللیالی کما قال محمد بن الفضل او من الایام کما فی ظاھر الاصول "(موت کی وجہ سے) موت کے وقت سے نہ خبر کے وقت سے چار ماہ چاند کے مطابق یا دنوں کے مطابق جیسا کہ گزرا (اور دس) راتیں جیسا کہ محمد بن فضل نے کہا یا دس دن جیسا کہ ظاہری اصول کے

1...(در منتقی مع مجمع الانھر، ج2، ص144، مطبوعہ کوئٹہ)

مطابق ہے۔[1]

اس کے تحت غواص البحرین میں علامہ فخر الدین بن ابراہیم آفندی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:"ای وقت الموت لا من وقت بلوغ الخبر ای خبر موتہ ان لو مات قبل طلوع الفجر فلا بد من مضی اللیلۃ بعد العاشر وعلی قول العامۃ فتنقضی بغروب الشمس کما فی البحر"یعنی موت کے وقت سے نہ کہ خبر پہنچنے کے وقت سے یعنی موت کی خبر، اگر طلوع فجر سے پہلے موت ہوئی تو دسویں کے بعد کی رات گزرنا ضروری ہے اور عامہ علماء کے قول کے مطابق سورج غروب ہونے سے پوری ہو جائے گی۔ جیسا کہ بحر میں ہے۔[2]

سیدی اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں:" حاملہ کی عدت وضع حمل ہے مطلقہ ہو یا بیوہ اور غیر حاملہ بیوہ کی عدت اگر خاوند کسی مہینے کی پہلی شب یا پہلی تاریخ میں مرا اگرچہ عصر کے وقت، چار مہینے دس دن ہیں یعنی چار ہلال اور ہو کر اس **پانچویں ہلال پر وقت وفات شوہر کے اعتبار سے دس دن کامل اور گزر جائیں اور پہلی تاریخ کے سوا اور کسی تاریخ میں مرا تو ایک سو تیس ۱۳۰ دن کامل لئے جائیں۔**"[3]

کتب احناف میں زیادہ تر بحث اسی پر ہے چار ماہ چاہے وہ شہور ہلالیہ کے اعتبار سے ہوں یا ایام کے اعتبار سے اس کے بعد دس ایام کے لئے فقط دس راتیں گزارنا ضروری ہیں یا دس دن یا پھر دس دن کے ساتھ دس راتیں بھی گزارنا ضروری ہیں۔ ساعت انتقال کے اعتبار سے تکمیل عدت کا

1...(جامع الرموز، ج1، ص579، مطبوعہ کراچی)

2...(غواص البحرین علی جامع الرموز، ج1، ص579، مطبوعہ کراچی)

3...(فتاوٰی رضویہ، جلد13، صفحہ 295،294، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)

کوئی قائل نہیں۔

چنانچہ صحیح بخاری کے جزء حدیث " فانھا تحد علیہ **اربعۃ اشھر و عشراً** " کے تحت علامہ عینی رحمہ اللہ تعالی عمدۃ القاری میں فرماتے ہیں ہے: "(و عشراً) ھل المراد منہ الایام و اللیالی؟ففیہ قولان للعلماء: احدھما، وھو قول الجمھور: ان المراد الایام بلیالیھا۔ و الآخر: ان المراد للیالی و انھا تحل فی الیوم العاشر، وھو قول یحیی بن ابی کثیر و الاوزاعی "(اور دس) کیا اس سے مراد دن اور راتیں ہیں؟ تو اس میں علماء کے دو قول ہیں: ان میں سے ایک اور یہی جمہور کا قول ہے کہ مراد دن راتوں کے ساتھ ہیں اور دوسرا یہ کہ مراد راتیں ہیں اور یہ دسویں دن آزاد ہو جائے گی اور یہی یحیٰ بن ابی کثیر اور امام اوزاعی کا قول ہے۔[1]

مبسوط للسرخسی میں ہے: "ان المتوفی عنھا زوجھا لما جاءت الی رسول اللہ تستاذنہ فی الاکتحال قال صلی اللہ علیہ وسلم کانت احدٰکن فی الجاھلیۃ اذا توفی عنھا زوجھا قعدت فی شر احلاسھا حولاً ثم خرجت فرمت کلبۃ ببعرۃ، افلا اربعۃ اشھر و عشراً، والثانی: ان المعتبر عشرۃ ایام و عشر لیال من الشھر الخامس عندنا، و عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنھما انہ کان یقول عشر لیال و تسعۃ ایام، حتی یجوز لھا ان تتزوج فی الیوم العاشر لظاھر قولہ تعالی (وعشرا) فان جمع المؤنث یذکر و جمع المذکر یؤنث، فیقال عشرۃ ایام و عشرۃ لیال، فلما قال ھنا و عشراً عرفنا ان المراد اللیالی، ولکنا نقول ھو کذلک الا ان ذکر احد العددین من الایام واللیالی بعبارۃ الجمع یقتضی دخول ما بازائہ من العدد الآخر، وقد بیناھذا فی باب الاعتکاف "ایک عورت جس کے شوہر کا انتقال ہوا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرمہ لگانے کی اجازت لینے آئی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی عورت جاہلیت کے زمانہ میں جب اس کے شوہر کا انتقال ہو جاتا، تو وہ ایک

1...۔(عمدۃ القاری، ج8، ص95، مطبوعہ کوئٹہ)

سال گندی جگہ بیٹھی رہتی، پھر مینگنی پھینکتی ہوئی نکلتی، تو کیا چار ماہ اور دس دن نہیں بیٹھ سکتی؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اعتبار پانچویں مہینے کے دس دنوں اور دس راتوں کا ہے اور عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے مروی ہے کہ فرمایا کہ دس راتیں اور نو دن، حتی کہ دسویں دن اسے نکاح جائز ہے، آیت میں مذکور لفظ عشر کے ظاہر کی وجہ سے کہ مونث کی جمع مذکر آتی ہے اور مذکر کی مونث، کہ کہا جاتا ہے عشرۃ ایام و عشرۃ لیال تو جب یہاں "عشرا" فرمایا، تو ہم نے جان لیا کہ مراد راتیں ہیں، لیکن ہم کہتے ہیں کہ یہ ایسا ہی ہے مگر دن اور رات میں سے کسی عدد کو جمع کے ساتھ لانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کے مقابل جو دوسرا عدد ہے، وہ بھی اس میں شامل ہے اور اسے ہم نے اعتکاف کے باب میں ذکر کیا ہے۔[1]

خانیہ میں ہے: "وحکی عن الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل رحمہ اللہ انہ قال **تعتد اربعۃ اشھر** وعشر لیال لان اللہ تعالی ذکر العشر مذکراً وجمع الایام یذکر بلفظ التأنیث فعلی قولہ تزید بلیلۃ واحدۃ وھذا اقرب الی الاحتیاط" اور **شیخ امام ابو بکر محمد بن فضل** رحمہ اللہ سے حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ وہ چار ماہ اور دس راتیں عدت کرے کہ اللہ تعالی نے عشر کو مذکر ذکر کیا اور لیالی کی جمع مذکر ذکر کی جاتی ہے، ایام کی جمع تانیث کے ساتھ تو اس قول پر ایک رات مزید کرے اور یہ احتیاط کے زیادہ قریب ہے۔[2]

درمختار میں ہے: " والعدۃ للموت اربعۃ اشھر بالاھلۃ لو فی الغرۃ کما مر وعشرۃ من ایام" اور موت کی عدت چار ماہ چاند کے حساب سے ہے اگر موت پہلی تاریخ میں ہوئی جیسا کہ گزرا اور دس دن۔

1...(مبسوط للسرخسی، ج 6، ص 35، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(فتاوی قاضی خان، ج 1، ص 500، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

اس کے تحت ردالمحتار میں ہے:" قوله:(من الایام) ای: واللیالی ایضاً کمافی المجتبی وفی غررالاذکار:ای:عشرلیال مع عشرة ایام من شهرخامس۔ وعن الاوزاعی ان المقدرفیه عشر لیال لدلالة حذف التاء فی الآئة علیه،فلها التزوج فی الیوم العاشر۔قلنا:ان ذکر کل من الایام و اللیالی بصیغة الجمع لفظاًاو تقدیراً یقتضی دخول ما یوازیه استقراء هو مثله فی الفتح۔وما مر عن الاوزاعی عزاه فی الخانية لابن الفضل و قال:انه احوط،لانه یزید بلیلة:ای:لو مات قبل طلوع الفجر فلا بد من مضی اللیلة بعد العاشر۔وعلی قول العامة تنقضی بغروب الشمس کما فی البحر،بل هو مساوٍ لقول العامة لما علمت من التقدیر بعشرة ایام وعشرلیال وقد ینقص عن قولهم لو فرض الموت بعد الغروب فکان الاحوط قولهم لا "(دنوں سے) یعنی اور راتیں بھی جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے اور غرر الاذکار میں ہے کہ یعنی پانچویں مہینے کی دس راتیں، دس دنوں کے ساتھ اور امام اوزاعی سے ہے کہ مقدار دس راتیں ہیں جس پر آیت میں "تا" کا حذف دلالت کرتا ہے، تو اسے دسویں دن نکاح جائز ہے۔ہم نے کہا کہ ایام اور لیالی میں سے ہر ایک کو لفظاً یا تقدیراً جمع لانا استقراء اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا مقابل بھی اس میں داخل ہے اور اس کی مثال فتح القدیر میں ہے اور امام اوزاعی سے جو منقول ہے خانیہ میں اسے ابن فضل کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا کہ یہی احوط ہے، کیونکہ اس میں ایک رات کا اضافہ ہے یعنی اگر طلوع فجر سے پہلے انتقال ہوا تو دسویں دن کے بعد کی رات گزارنا بھی ضروری ہے اور عام مشائخ کے قول کے مطابق غروب شمس سے عدت پوری ہو جائے گی جیسا کہ بحر میں ہے، بلکہ یہ عامۃ الناس کے قول کے مساوی ہے کہ ان کے مطابق مقدار دس دن اور دس راتیں ہیں اور امام اوزاعی کے قول میں ایک دن کی کمی ہو گی اگر شوہر کا انتقال غروب کے بعد ہوا تو احوط انہیں ائمہ کا قول ہے۔[1]

1...(ردالمحتار، ج5، ص190، مطبوعہ کوئٹہ)

فتح القدیر میں ہے:"وقال الأوزاعي: أربعة أشهر وعشر ليال، فلو تزوجت في اليوم العاشر جاز أخذا من تذكير العدد: أعني العشر في الكتاب والسنة وهو قوله صلى الله عليه وسلم {لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تحد على ميت فوق ثلاثة أيام إلا على زوج أربعة أشهر وعشرا} فيجب كون المعدود الليالي وإلا لأنثه. قلنا: الاستعمال في مثله من ذكر عدة الليالي يدخل ما بإزائها من الأيام على ما عرف بالتاريخ حيث يكتب بالليالي فيقال لسبع خلون مثلا ويراد كون عدة الأيام كذلك" اور امام اوزاعی نے کہا کہ چار ماہ اور دس راتیں تو اگر دسویں دن شادی کی تو جائز ہے، عدد کے مذکر ہونے سے دلیل اخذ کرتے ہوئے انہوں نے یہ بات کہی یعنی کتاب وسنت میں مذکور لفظ عشر سے اور حدیث وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے: اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والی عورت کے لیے حلال نہیں کہ کسی میت پر تین دن سوگ کرے مگر شوہر پر کہ چار ماہ اور عشر یعنی دس، تو واجب ہوا کہ راتیں بھی شمار کی جائیں گی ورنہ مؤنث کا صیغہ ہوتا۔۔۔ ہم نے کہا کہ اس کی مثل میں راتوں کی تعداد ذکر کرنے میں مستعمل یہ ہے کہ اس کا مقابل یعنی دن بھی شامل ہوتے ہیں جیسا کہ تاریخ میں معروف ومشہور ہے کہ راتیں لکھی جاتی ہیں، تو کہا جاتا ہے سات باقی تھے مثلا اور مراد اس طرح دنوں کی تعداد ہوتی ہے۔[1]

جوہرہ میں ہے:" واذا مات الرجل عن امرأته الحرة فعدتها اربعة اشهر وعشرة وهذه العدة لا تجب الا فی نکاح صحیح سواء دخل بها او لم یدخل والمعتبر عشرة ایام وعشر لیال من الشهر الخامس "اور جب بندہ آزاد عورت چھوڑ کر فوت ہو، تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور یہ عدت واجب نہیں ہوگی مگر نکاح صحیح میں برابر ہے اس سے دخول ہوا ہو یا نہ ہوا ہو اور

---

1 ...(فتح القدیر، ج4، ص282، مطبوعہ کوئٹہ)

معتبر پانچویں ماہ کے دس دن اور دس راتیں ہیں۔[1]

بنایہ میں ہے: "الفصل الثانی: ان یعتبر عشر لیال وعشرۃ ایام عند الجمھور" دوسری فصل: یہ کہ جمہور کے نزدیک معتبر دس راتیں اور دس دن ہے۔[2]

نیز آئسہ اور نابالغہ جسے اس کی شوہر نے طلاق دے دی اس کی عدت تین ماہ ہے۔ اس کی تکمیل میں بھی یہی حکم ہے کہ شوہر نے دن میں طلاق دی تو آخری دن کی تکمیل غروب آفتاب پر ہو گی اور اگر رات میں طلاق دی، تو اس کی عدت کی تکمیل طلوع فجر پر ہو گی۔ کیا ممتدۃ الطھر کی عدتِ طلاق بھی تین ماہ ہے؟ اس میں تفصیل ہے۔

ممتدۃ الطھر سے کیا مراد ہے؟

ممتدۃ الطھر سے مراد وہ بالغہ عورت ہے جو سن ایاس تک نہ پہنچی ہو اور اسے بعدِ بلوغ ایک بار حیض آیا اس کے بعد پھر کبھی نہیں آیا یا کبھی کبھار حیض آتا ہے، لیکن حیض کے بعد طویل طہر ہوتا ہے۔

حیض والی عورت کی عدتِ طلاق تین حیض ہے جب تک یہ تین حیض آکر نہیں گزر جاتے اس وقت تک اس کی عدت مکمل نہیں ہو گی چاہے سالہا سال گزر جائیں، ہاں اگر سن ایاس یعنی اس عمر کو پہنچ جاتی ہے کہ جس میں بڑھاپے کی وجہ سے حیض کی امید منقطع ہو جاتی ہے، تو اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے گی۔ سن ایاس کی کم از کم عمر علماء نے 55 سال بیان کی ہے۔ چنانچہ احکم الحاکمین عزوجل کا حکم ہے: ﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ اور طلاق والیاں

1...(الجوہرۃ النیرۃ، ج2، ص245، مطبوعہ لاہور)

2...(البنایۃ شرح الھدایۃ، ج5، ص411، مطبوعہ کوئٹہ)

اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک۔[1]

درمختار میں ہے:"الشابة الممتدة بالطہر بان حاضت ثم امتد طہرھا، فتعتد بالحیض الی ان تبلغ سن الایاس۔ جوھرۃ وغیرھا"جوان عورت جس کا طہر طویل ہو جائے بایں معنی کہ اسے حیض آیا، پھر اس کا طہر طویل ہو گیا تو وہ حیض کے ساتھ عدت گزارے گی یہاں تک کہ سن ایاس کو پہنچ جائے۔ الجوہرہ وغیرہا۔[2]

عالمگیری میں ہے:"الایاس مقدر بخمس و خمسین سنة و ھو المختار کذا فی الخلاصة وھو اعدل الاقوال کذافی المحیط، وعلیه الاعتماد کذافی النھایة والسراج الوھاج وعلیه الفتوی ھکذافی معراج الدرایة"ایاس کی مقدار 55 سال ہے یہی مختار ہے جیسا کہ خلاصہ میں ہے اور اقوال میں متوسط ہے، جیسا کہ محیط میں ہے اور اسی پر اعتماد ہے، جیسا کہ نہایہ میں اور سراج وہاج میں ہے اور اسی پر فتوی ہے۔ ایسے ہی معراج الدرایہ میں ہے۔[3]

بہار شریعت میں ہے:" انتہائی عمر حیض آنے کی 55 سال ہے۔ اس عمر والی عورت کو آئسہ اور اس عمر کو سنِ ایاس کہتے ہیں۔"[4]

سنِ ایاس والی عورت کی عدت کے بارے میں اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالّٰٓـِٔیْ یَىٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ﴾اور تمہاری

1...(سورۃ البقرۃ، آیت:228)

2...(درمختار مع ردالمحتار، ج5، ص188، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(عالمگیریہ، ج1، ص36، مطبوعہ کوئٹہ)

4...(بہار شریعت، ج1، حصہ2، ص372، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

وہ عورتیں جنہیں حیض کی امید نہ رہی اگر تمہیں کچھ شک ہو، تو ان کی عدت تین مہینے ہے۔"[1]

اس آیت کے تحت تفسیر نسفی میں ہے:" واذا کانت هذه عدة المرتاب بها فغير المرتاب بها اولیٰ بذلک "جب یہ عدت اس عورت کی ہے جس کے حیض کی امید نہ رہنے میں شک ہو، تو جس کے حیض کی امید نہ ہونے میں شک نہ ہو تو اس کی عدت بدرجہ اَولیٰ تین مہینے کے ساتھ ہو گی۔[2]

البتہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک حیض والی عورت کا حیض سبب معتاد، مثلاً حمل، رضاعت یا مرض کی وجہ سے منقطع نہ ہوا ہو، تو وہ 9 ماہ تک استبراء کرے گی اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے گی، ہاں اگر تین ماہ کی عدت گزرنے سے پہلے اسے ایک کامل حیض آجاتا ہے، تو پھر نئے سرے سے 9 ماہ کا استبراء کرے گی اور اس کے بعد تین ماہ عدت کے گزارے گی۔ اس میں بھی اگر دوران استبراء یا عدت کے تین ماہ گزرنے سے پہلے کامل حیض آجاتا ہے، پھر نئے سرے سے 9 ماہ استبراء کے اور تین ماہ کی عدت گزارے گی۔ اس دوران اگر تیسرا کامل حیض آجاتا ہے تو حیض کے اعتبار سے عدت مکمل ہو جائے گی ورنہ استبراء کے بعد تین ماہ مکمل ہونے پر عدت مکمل ہو جائے گی۔ الشامل فی فقہ الامام مالک میں ہے:" والمرتابة دون سبب معتاد بتسعة أشهر استبراء، ثم ثلاثة أشهر عدة"وہ عورت جس کے حیض کی امید میں شک ہو سبب معتاد کے بغیر تو 9 مہینے استبراء کرے گی پھر تین مہینے عدت۔[3]

1...(سورۃ الطلاق، آیت 4)

2...(تفسیر نسفی، ج3، ص499، مطبوعہ لاہور)

3...(الشامل، ج1، ص467، ناشر: مرکز نجیبویہ)

بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد (مالکی) میں ہے:" واما التی تطلق فلا تحیض وھی فی سن الحیض ولیس ھناک ریبۃ حمل ولا سبب من رضاع ولا مرض: فانھا تنتظر عند مالک تسعۃ اشھر فان لم تحض فیھن اعتدت بثلاثۃ اشھر، فان حاضت قبل ان تستکمل الثلاثۃ اشھر اعتبرت الحیض، واستقبلت انتظارہ، فان مر بھا تسعۃ اشھر قبل ان تحیض الثانیۃ اعتدت ثلاثۃ اشھر، فان حاضت قبل ان تستکمل الثلاثہ اشھر من العام الثانی انتظرت الحیضۃ الثالثہ، فان مر بھا تسعۃ اشھر قبل ان تحیض اعتدت ثلاثۃ اشھر، فان حاضت الثالثۃ فی ثلاثۃ اشھر کانت قد استکملت عدۃ الحیض وتمت عدتھا" وہ عورت جسے طلاق ہوئی اسے حیض نہیں آتا حالانکہ وہ حیض کی عمر میں ہے اور اسے حمل کا شبہہ ہے نہ رضاعت کے سبب سے ہے اور نہ ہی کوئی مرض تو امام مالک علیہ الرحمۃ کے نزدیک وہ 9 ماہ انتظار کرے گی، اگر ان 9 ماہ میں حیض نہیں آتا، تو تین ماہ عدت گزارے گی۔ اگر تین ماہ مکمل ہونے سے پہلے حیض آ جاتا ہے، تو حیض معتبر ہو گا اور نئے سرے سے انتظار کرے گی، پھر اگر دوسرا حیض آنے سے پہلے 9 ماہ گزر جاتے ہیں، تو تین ماہ عدت گزارے گی اور اگر دوسرے سال کے تین ماہ مکمل ہونے سے پہلے اسے حیض آ جاتا ہے، تو تیسرے حیض کا انتظار کرے گی، پھر اگر حیض آنے سے پہلے 9 ماہ گزر جاتے ہیں، تو تین ماہ عدت گزارے گی۔ پھر اگر ان تین ماہ میں تیسرا حیض آ جاتا ہے، تو اس کی حیض والی عدت کی تکمیل ہو گئی اور اس کی عدت مکمل ہو گئی۔[1]

لہٰذا جس عورت کو بعدِ بلوغ حیض آیا اور اس کے بعد پھر کبھی حیض نہیں آیا یا پہلے

---

1 ...(بدایۃ المجتہد، ج3، ص110، ناشر: دار الحدیث القاہرہ)

باقاعدگی سے حیض آتا تھا اور اب حیض آنا منقطع ہو گیا اور آئندہ بھی حیض آنے کی امید نہیں ہے ،تو بر بنائے ضرورت امام مالک کے قول پر عمل کرتے ہوئے عدت گزار سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین الشامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "عدة ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلاثة ايام ثم امتد طهرها فانها تبقى فى العدة الى ان تحيض ثلاث حيض۔ عند مالک: تنقضي عدتها بتسعة اشهر۔ و قد قال فی البزازية: الفتوى فى زماننا على قول مالک۔ و قال الزاهدی: کان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة۔ و اعتراضه فی النهر و غيره: بانه لا داعی الى الافتاء بمذهب الغير لامكان الترافع الى مالكي يحكم بمذهبه، و على ذلک مشى ابن وهبان فی منظومته هناک ، لكن قدمنا ان الكلام عند تحقق الضرورة حيث لم يوجد مالكي يحكم به "ایسی طویل طہر والی جو تین دن خون دیکھ کر بالغ ہوئی، پھر اس کا طہر دراز ہو گیا، تو وہ عدت میں باقی رہے گی یہاں تک کے تین حیض آ جائیں۔ امام مالک کے نزدیک اس کی عدت نو مہینے میں گزر جائے گی اور تحقیق بزازیہ میں کہا: ہمارے زمانے میں امام مالک کے قول پر فتوی ہے اور زاہدی نے کہا: ہمارے بعض اصحاب ضرورتاً اس پر فتوی دیتے ہیں اور نہر و غیرہ میں اس پر اعتراض کیا کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی طرف کوئی راہ نہیں ہے، کیونکہ مالکی مفتی کی طرف فیصلہ اٹھانا ، ممکن ہے، جو اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے اور اسی پر ابن وہبان چلے اپنی منظومہ میں ، لیکن ہم نے پیچھے ذکر کیا کہ کلام اس صورت میں ہے جہاں ضرورت متحقق ہو اور مالکی مفتی نہ پایا جائے جو اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے۔[1]

---

1 ...۔ (ردالمحتار، ج6، ص453، مطبوعہ کوئٹہ)

مذہبِ غیر ومرجوح قول پر عمل کرنے کی شرائط:

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں:" بوقت ضرورت اگر صادقه باشد عمل مرجوح یا مذهب امام دیگر در آں خاص مسئله مبتلا برائے نفس خودش عمل میتواں کرد، فاما مفتی رانمی رس که باو فتوی دهد یا قاضی مقلد مقید بالقضا بالمذهب باو حکم تواں کرد و اگر کند باطل شد کما قدمنا و کل ذلک مصرح به فی الکتب المعتمدة و آنکه برائے نفس خودش با و عمل کند واجب ست که جمله شرائط آں قول مرعی دار و مثلاً قول امام محمد در تفریق زن مجنون شرط تفریق قاضی که بے روبراں قول مرجوح ہم عمل نبا شد بلکه بہوائے نفس باللہ تعالی۔ واللہ تعالیٰ اعلم(ترجمہ:)ضرورت اگر صحیح اور واقعی ہو، تو پھر مرجوح قول یا دوسرے مذہب پر مبتلا شخص کو چاہئے کہ وہ خود عمل کرے، لیکن مفتی ہرگز فتویٰ نہیں دے سکتا اور قاضی بھی جو اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا پابند ہو وہ بھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا، اگر فیصلہ کرے گا، تو وہ بھی باطل ہوگا جیسا کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں اور قابلِ اعتماد کتب میں اس کی تصریح موجود ہے اور اگر مبتلا شخص خود دوسرے مذہب یا مرجوح قول پر عمل کرے، تو ضروری ہے کہ وہ ان تمام شرائط کی رعایت کرے، مثلاً امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے مجنون کی بیوی کے متعلق تفریق کے جواز کو قاضی سے مشروط کیا ہے، اس کے بغیر مرجوح قول پر بھی تفریق جائز نہ ہوگی، بلکہ یہ نفسانی خواہش کی پیروی ہوگی۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم"[1]

---

1 ...۔(فتاویٰ رضویہ، ج12، ص482، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

امام مالک کا مذہب صحیح:

یہ یاد رہے کہ شامی کے مذکورہ بالا جزئے میں جو کہا گیا کہ امام مالک کے نزدیک طویل طہر والی عورت کی عدت 9 ماہ ہے، یہ درست نہیں۔ امام مالک علیہ الرحمۃ کا صحیح مذہب وہ ہے جو کتب مالکیہ سے بیان کیا کہ 9 ماہ استبراء اور اس کے بعد تین ماہ عدت کے ہیں۔ پھر علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے دوسرے مقام پر اس تسامح کی تصحیح بھی کر دی اور علامہ سائحانی علیہ الرحمۃ کے حوالے سے واضح کیا کہ مالکیہ کا معتمد قول 9 ماہ ایاس اور تین ماہ عدت کا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "و رایت بخط شیخ مشائخنا السائحانی ان المعتمد عند المالکیۃ: انہ لا بد لوفاء العدۃ من سنۃ کاملۃ: تسعۃ اشھر لمدۃ الایاس، وثلاثۃ اشھر لانقضاء العدۃ۔ قلت: ولذا عبر فی المجمع بالحول" میں نے ہمارے شیخ المشائخ علامہ سائحانی کی تحریر میں دیکھا کہ مالکیہ کے نزدیک معتمد یہ ہے کہ عدت پوری ہونے کے لیے ایک کامل برس ضروری ہے۔ نو ماہ مدت ایاس کے اور تین ماہ عدت گزرنے کے لیے۔ میں کہتا ہوں: اسی لیے مجمع میں ایک برس سے تعبیر کیا گیا۔[1]

ردالمحتار میں مزید ہے: "قد علمت ان المعتمد عند المالکیۃ تقدیر المدۃ بحول، ونقلہ ایضاً فی البحر عن المجمع معزیاً لمالک" تحقیق تو نے جان لیا کہ مالکیہ کے نزدیک مدت کی مقدار ایک برس معتمد ہے اور اسے بحر میں بھی مجمع سے نقل کیا ہے امام مالک علیہ الرحمۃ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے۔[2]

1...(ردالمحتار، ج5، ص188، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(ردالمحتار، ج5، ص189، مطبوعہ کوئٹہ)

عدت کہاں گزارے گی؟

1: عدت والی عورت پر لازم ہوتا ہے کہ جو مکان شوہر نے رہائش کے لیے دیا ہوا تھا یا وہ شوہر کے ساتھ جس مکان میں رہتی تھی، اسی میں عدت پوری کرے اور بغیر کسی شرعی مجبوری کے وہاں سے باہر نہ نکلے۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: "عدت میں انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ آپ نکلیں۔"[1]

اس کے متعلق بحر الرائق میں ہے: "معتدة الطلاق والموت یعتدان فی المنزل المضاف الیھما بالسکنی وقت الطلاق والموت ولا یخرجان منه الا لضرورة" طلاق اور وفات کی عدت والیاں اس گھر میں عدت گزاریں گی جو رہائش کے اعتبار سے ان کی طرف منسوب ہو اور اس سے بغیر ضرورت کے نہیں نکلیں گی۔[2]

متن تنویر الابصار و شرح در مختار میں ہے: "(و تعتدان) ای معتدة الطلاق و موت (فی بیت وجبت فیه) و لا یخرجان منه (الا ان تخرج او یتھدم المنزل او تخاف) انھدامه او (تلف مالھا) و نحو ذلک من الضرورات۔ الخ" عورت کو طلاق دی گئی یا شوہر کا انتقال ہوا اور وہ اپنی رہائش گاہ کے علاوہ کسی جگہ ملنے گئی ہوئی تھی تو فوراً واپس پلٹ کے آجائے کہ اس پر یہ واجب ہے اور یہ دونوں یعنی طلاق اور موت کی عدت گزارنے والی اسی گھر میں عدت گزارے گی، جس میں عدت واجب ہوئی اور وہاں سے نہیں نکلیں گی، مگر یہ کہ اسے نکالا جائے یا گھر گر جائے یا اس کے

1...(پارہ 28، سورۃ الطلاق، آیت نمبر 1)

2...(بحر الرائق، ج4، ص259، مطبوعہ کوئٹہ)

منہدم ہونے کا خوف ہو یا مال تلف ہونے کا خوف ہو اور اس جیسی دیگر ضروریات۔[1]

علامہ سید محقق ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ متن کی عبارت (فی بیت وجبت فیہ) کے تحت فرماتے ہیں:" ھو ما یضاف الیھما بالسکنی قبل الفرقۃ" یہ وہ گھر ہے کہ جو باعتبار رہائش ان کی طرف بوقت فرقت منسوب ہو۔[2]

2: عورت اگر شوہر کی وفات کے وقت گھر سے باہر ہے، تو اس پر واجب ہے کہ فوراً اپنے گھر لوٹ آئے اور عدت مکمل کرے، ہاں اگر اپنے اس گھر سے مدت سفر پر ہے یعنی 92 کلو میٹر یا اس سے زائد کے فاصلے پر تو اپنی عدت وہیں مکمل کرے گی واپس لوٹ کر نہیں آئے گی کہ دوران عدت سفر بھی ممنوع ہے، اگرچہ محرم کے ساتھ ہو۔

متن تنویر الابصار و شرح در مختار میں ہے:" (طلقت) او مات وھی زائرۃ (فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً) لوجوبہ علیھا الخ" عورت کو طلاق دی گئی یا شوہر کا انتقال ہوا اور وہ اپنی رہائش گاہ کے علاوہ کسی جگہ ملنے گئی ہوئی تھی، تو فوراً واپس پلٹ کر آجائے کہ اس پر یہ واجب ہے۔[3]

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ متن کی عبارت (فی غیر مسکنھا عادت الیہ فوراً) کے تحت جد الممتار میں فرماتے ہیں:" اقول: ظاھرہ زیارتھا فی محلۃ اخری من مصرھا، اما فی غیر مصرھا فسیاتی: ان لو بینھا و بین مصرھا مدۃ سفر وھی فی

1...(متن تنویر الابصار و شرح در مختار مع رد المحتار، ج5، ص229، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(رد المحتار، ج5، ص229، مطبوعہ کوئٹہ)

3...(متن تنویر الابصار و شرح در مختار مع رد المحتار، ج5، ص229، مطبوعہ کوئٹہ)

مصرا او قرية محل اقامة يجب عليها عندالامام ان تعتد ثمه "میں کہتا ہوں: اس کا ظاہر یہ ہے کہ عورت اسی شہر کے دوسرے محلے میں ملاقات کرنے گئی ہے، بہر حال اگر اپنے شہر کے علاوہ کہیں گئی، تو اس حوالے سے عنقریب آتا ہے کہ جہاں وہ ہے اس کے اور اس کے شہر کے درمیان اگر مدت سفر ہے اور یہ ابھی کسی شہر یا ایسی بستی میں ہے کہ جو محل اقامت ہے (یعنی وہ وہاں ٹھہر سکتی ہے) تو اس پر امام اعظم (علیہ الرحمۃ) کے نزدیک وہاں عدت کرنا واجب ہو گا۔[1]

عدت میں سفر کرنا:

بلاعذر عدت میں سفر ناجائز ہے، اس کے متعلق مزید سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ ایک مقام پر فرماتے ہیں: "و السفر بدون محرم محرم اتفاقا، اما ان کان معها محرم فالامام یقول: انشاؤها السفر فی العدة حرام بنفسه فلا بد ان تعتد ثمه، لان المحل محل الاقامة "اور بغیر محرم عورت کا سفر کرنا بالاتفاق حرام ہے، لیکن اگر محرم ساتھ ہو، تو امام فرماتے ہیں: اس کا عدت میں سفر کرنا خود حرام ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہیں پر عدت گزارے کہ محل، محل اقامت ہے۔[2]

فتاوی رضویہ میں دوران عدت سفر کرنے والی عورت کے متعلق سوال کے جواب میں سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "اسے سفر کر کے آنا حرام تھا۔"[3]

1...(جد الممتار، ج5، ص202، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

2...(جد الممتار، ج5، ص205، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

3...(فتاوی رضویہ، ج13، ص332، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

نوکری ودیگر کام کاج کے لئے گھر سے نکلنا:

معتدہ وفات کے پاس بقدر کفایت مال نہ ہو کہ جس سے وہ اپنی عدت میں اخراجات پورے کرسکے، تو اس صورت میں دن کے اوقات میں ملازمت وغیرہ کے لیے باہر نکل سکتی ہے، البتہ رات کا اکثر حصہ اپنے عدت والے گھر میں ہی گزارے گی۔ یہ حکم بھی اس صورت میں ہے، جب وہ عدت والے گھر میں رہ کر کوئی کام کر کے اپنی عدت کے اخراجات پورے نہ کرسکتی ہو۔

چنانچہ در مختار میں ہے: "(ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت) اکثر اللیل (فی منزلھا) لان نفقتھا علیھا فتحتاج للخروج حتی لو کان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا الخروج فتح "اور موت کی عدت گزارنے والی دن اور رات میں نکل سکتی ہے اور وہ رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارے گی، کیونکہ اس کا نفقہ خود اسی پر ہے تو وہ نکلنے کے لیے محتاج ہے حتی کہ اگر اس کے پاس بقدر کفایت مال موجود ہو تو یہ بھی مطلقہ کی طرح ہوگی، لہٰذا اس صورت میں اسے بھی نکلنا حلال نہیں ہوگا۔ فتح۔

علامہ سید محقق ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ در مختار کی عبارت (لان نفقتھا علیھا) کے تحت فرماتے ہیں: "وھذا بیان للفرق بین معتدۃ الموت ومعتدۃ الطلاق۔ قال فی الھدایۃ: واما المتوفی عنھا زوجھا فلانہ لا نفقۃ لھا فتحتاج الی الخروج نھارا لطلب المعاش وقد یمتد الی ان یھجم اللیل ولا کذلک المطلقۃ لان النفقۃ دارۃ علیھا من مال زوجھا۔اھ قال فی الفتح: والحاصل ان مدار حل خروجھا بسبب قیام شغل المعیشۃ فیتقدر بقدرہ، فمتی انقضت حاجتھا لا یحل لھا بعد ذلک صرف الزمان خارج بیتھا اھ "اور یہ موت کی معتدہ اور طلاق کی معتدہ کے درمیان فرق کا بیان ہے۔ ہدایہ میں فرمایا کہ بہر حال جس کے شوہر کا انتقال ہوا، تو اس کے لیے نفقہ نہیں ہے، تو

وہ دن میں طلب معاش کے لیے نکلنے میں حاجت مند ہے اور یہ حاجت کبھی رات تک چلی جاتی ہے اور معتدہ طلاق کا معاملہ اس طرح نہیں، کیونکہ اس کا نفقہ شوہر کے مال پر دائر ہے۔ فتح میں فرمایا کہ: اور حاصل کلام یہ ہے کہ اس کے نکلنے کے حلال ہونے کا مدار معیشت میں مشغول ہونے کے سبب پر ہے، تو یہ اسی مقدار کے ساتھ مقدر ہو گا، تو جب یہ حاجت پوری ہو گی، اس کے بعد کا زمانہ گھر سے باہر صرف کرنا اس کے لیے حلال نہ ہو گا۔ اھ[1]

کسب کے لیے باہر نکلنے کی اجازت اس صورت میں ہو گی کہ جب وہ گھر میں رہتے ہوئے اس پر قادر نہ ہو، اس سے متعلق سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ در مختار کی عبارت: (فلا یحل لھا الخروج) کے تحت فرماتے ہیں: " اقول: فکذا اذا قدرت علی الکسب فی البیت من دون خروج فان المبیح ھی بالضرورۃ فبحیث لا ضرورۃ فلا اباحۃ وھذا واضح جدا " (میں کہتا ہوں) یونہی اگر وہ گھر میں رہ کر کوئی محنت کر کے اپنا خرچہ بنا سکتی ہے، تو نکلنا حلال نہ ہو گا، کیونکہ اس کا باہر نکلنا ضرورت کی بنا پر جائز ہوا ہے اور جب وہ ضرورت نہیں، تو جواز بھی نہیں اور یہ بات بالکل واضح ہے۔[2]

عدت وفات سے متعلق ایک سوال کے جواب میں سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”عدت موت کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا، خود اپنے پاس سے کھائے، پاس نہ ہو تو دن کو محنت و مزدوری کے لیے باہر جا سکتی ہے۔[3]

عدت وفات میں نفقہ کے لیے باہر نکلنے کے متعلق صدر الشریعہ بدر الطریقہ مفتی امجد علی

1...(در مختار مع رد المحتار، ج5، ص228، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(فتاوی رضویہ، ج13، ص328، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

3...(فتاوی رضویہ، ج13، ص330، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: "موت کی عدت میں اگر باہر جانے کی حاجت ہو کہ عورت کے پاس بقدر کفایت مال نہیں اور باہر جا کر محنت مزدوری کرکے لائے گی، تو کام چلے گا، تو اسے اجازت ہے کہ دن میں اور رات کے کچھ حصے میں باہر جائے اور رات کا اکثر حصہ اپنے مکان میں گزارے، مگر حاجت سے زیادہ باہر ٹھہرنے کی اجازت نہیں اور اگر بقدر کفایت اس کے پاس خرچ موجود ہے، تو اسے بھی گھر سے نکلنا مطلقاً منع ہے۔"[1]

کیا عدت میں پردہ عام دنوں سے مختلف ہوتا ہے؟

عدت یا علاوہ عدت کے پردے کے احکام میں کوئی فرق نہیں ہوتا؛ بعض لوگ بربنائے جہالت یہ سمجھتے ہیں کہ صرف عدت میں پردے کے خصوصی احکام ہوتے ہیں، وہ سخت غلطی پر ہیں۔ عدت و غیر عدت میں نسبی، صہری اور رضاعی محارم کے علاوہ سب غیر محارم سے پردہ واجب ہے۔ اس میں ضابطہ یہ ہے کہ غیر محارم سے مطلقاً پردہ واجب ہے۔ محارم نسبی یعنی سگا بھائی، بیٹا، چچا، ماموں اور والد وغیرہ سے پردہ نہ کرنا واجب، اگر ان سے پردہ کرے گی تو گنہگار ہو گی، جبکہ صہری محارم جیسے سسر اور داماد وغیرہ، یونہی رضاعی محارم جیسے رضاعی بھائی اور رضاعی والد وغیرہ سے پردہ کرنا واجب نہیں، پردہ کرے تو بھی جائز ہے، نہ کرے تو بھی جائز ہے، البتہ جوان ساس کو داماد سے اور یونہی بہو کو جوان سسر سے پردہ کرنا ہی مناسب ہے، ہاں اگر فتنے کا اندیشہ ہو، تو پردہ واجب ہو جائے گا۔

عدت میں پردہ سے متعلق علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "وفی الموت تستر عن سائر الورثۃ ممن لیس بمحرم لھا" اور وفات کی عدت میں عورت شوہر کے ان تمام

1...(بہار شریعت، ج2، ص245، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

ورثاء سے پردہ کرے گی کہ جو اس (عورت) کے محرم نہیں ہیں۔[1]

سیدی اعلی حضرت الشاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”اس کا ضابطہ کلیہ ہے کہ نامحرموں سے پردہ مطلقاً واجب، اور محارم نسبی سے پردہ نہ کرنا واجب، اگر کرے گی، تو گنہگار ہو گی اور محارم غیر نسبی مثل علاقۂ مصاہرت و رضاعت ان سے پردہ کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز، مصلحت و حالت پر لحاظ ہو گا۔ اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جوان ساس کو داماد سے پردہ مناسب ہے، یہی حکم خسر اور بہو کا ہے۔“[2]

حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”عدت اور غیر عدت میں پردہ کے احکامات میں کوئی فرق نہیں۔ قبل عدت جن لوگوں سے پردہ فرض ہے دوران عدت بھی ان سے پردہ کرنا فرض ہے۔“[3]

واللہ اعلم عزوجل **ورسولہ اعلم** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبـــــــــــــــہ

ابو سعید محمد نوید رضا عطاری

1...(ردالمحتار، ج5، ص230، مطبوعہ کوئٹہ)

2...(فتاوی رضویہ، ج22، ص240، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن، لاہور)

3...(وقار الفتاوی، ج3، ص158، مطبوعہ بزم وقار الدین، کراچی)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صحیح بخاری میں ہے: "لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ و الیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلث الا علی زوج اربعۃ اشھر وعشرا "(ترجمہ) جو عورت اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے حلال نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے شوہر پر کہ شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ ہے۔

(صحیح البخاری، ج1، ص248، مطبوعہ لاہور)

فیضانِ مدینہ، محلہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
+92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net